فہرست مضامین

مطالعہ پاکستان

باب نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۔	نظریہ پاکستان	06
۲۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مسائل	31
۳۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جغرافیہ	45
۴۔	اسلامی جمہوریہ کے قیام کی طرف پیش قدمی	65
۵۔	پاکستان کا انتظامی ڈھانچہ اور اچھی حکمرانی کا تصور	86
۶۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کلچر	105
۷۔	پاکستانی زبانیں	119
۸۔	قومی یکجہتی اوخوش حالی	130
۹۔	جمہوریہ پاکستان میں اقتصادی منصوبہ بندی اور ترقی	138
۱۰۔	اسلامی جمہوریہ پاکستان کی خارجہ حکمت عملی	154

1

نظریہ پاکستان

پڑھیں

نظریہ یا Ideology کسی جماعت، قوم یا ملت کے اجتماعی نصب العین اور اس نصب العین کو حاصل کرنے کے لیے قائم کردہ اصول، ضوابط کو کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے نظریہ زندگی صرف اسلام ہی ہے۔

اسلام کا نظریہ قومیت:۔

اسلام کے ماننے والے خود کو دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلے میں ایک جداگانہ قومیت سمجھتے ہیں۔ اسی کا نام دو قومی نظریہ ہے۔ اسلام ایک جمہوری ضابطہ ہے اور مسلمان حق خود اختیاری کے جمہوری اصول پر یقین رکھتے ہیں۔ اس اصول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ دنیا کے جس خطے میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں آباد ہوں کہ وہ اپنی آزاد ریاست، قائم کر سکیں، انہیں ایک خود مختار جمہوری ریاست قائم کر کے اپنے ایمان اور عقیدے کے مطابق زندگی گزارنے کا حق ملنا چاہیے۔

نظریہ پاکستان: تعریف و توضیح

ہندوستان کے مسلمان ابتدا ہی سے ایک جداگانہ قوم تھے۔ وہ سینکڑوں سال ہندوستان پر حکمران رہے۔ بیسویں صدی میں بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے جن کے باعث ہندوستان کے مسلمان ایک آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ کرنے پر مجبور ہوئے۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اپنی آزاد سرزمین کے لیے "پاکستان" جیسے خوبصورت نام کا انتخاب کیا۔ اسی نام کے حوالے سے دینِ اسلام کے اس بنیادی عقیدے یعنی دو قومی نظریہ کو "نظریہ پاکستان" کہا جانے لگا۔

تعریف:۔

نظریہ پاکستان اس عقیدہ اور نصب العین کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد پر قیام پاکستان کی تحریک چلائی گئی۔ یہ عقیدہ بلا شبہ اسلام تھا اور نصب العین یہ تھا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کو دو الگ الگ قومیں سمجھتے ہوئے جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد جمہوری ریاست قائم کی جائے جس میں رہتے ہوئے وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم اسلامی اصولوں کے مطابق کر سکیں۔

اس علاقے میں جواب پاکستان کہلاتا ہے۔ غیر مسلم آبادی کا تناسب تین فیصد کے قریب تھا۔ اس خطے کے غیر مسلم یہ جانتے تھے کہ ایک اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کو یکساں شہری اور سیاسی حقوق حاصل ہوتے ہیں لہٰذا اس خطے کے غیر مسلم شہریوں نے جن میں عیسائی، ہندو اور دوسرے مذاہب کے لوگ شامل تھے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قیام پاکستان سے پہلے اس خطے کی غیر مسلم اقلیتوں کا جذبہ ایثار اور قیام پاکستان کے بعد ان کا جذبہ حب الوطنی اقوام عالم کے لیے ایک نمونہ اور مثال بن چکا ہے۔

اسلام:۔

ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں وسیع و عریض علاقے پر آباد لوگوں کا اسلامی عقیدہ و ایمان در حقیقت قیامِ پاکستان کا سب سے بنیادی محرّک تھا۔ 13 جنوری 1948ء کو اسلامیہ کالج پشاور میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

''ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے نہیں بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ قائم کرنا چاہتے ہیں جہاں ہم اسلام کے اصولوں کی سچائی کو ثابت کر سکیں۔''

ایک اسلامی ریاست کے رہنما اصول بیان کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''بنیادی طور پر ایک اسلامی ریاست میں اقتدار اللہ رب العزت کو حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی ریاست کا نظام قرآنی اصول و احکام کی روشنی میں چلتا ہے۔ ایک اسلامی ریاست میں پارلیمنٹ یا کسی اور ادارے یا شخص کو کسی معاملے میں اپنی من مانی کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔ قرآنی احکام ہی معاشرت اور سیاست کے تمام معاملات میں ہمارے طرزِ عمل کو متعین کرتے ہیں۔''

جمہوریت:۔

ایک اسلامی ریاست جمہوری اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ فروری 1948ء میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے عوام سے اپنے ایک ریڈیو خطاب میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''پاکستان کا آئین ابھی بننا ہے، اسے دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس کی حتمی شکل و صورت کیا ہو گی لیکن مجھے اتنا یقین ضرور ہے کہ یہ جمہوری یعنی اسلام کے بنیادی اصولوں کے عین مطابق ہو گا۔ یہ اصول آج کی عملی زندگی میں بھی اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح آج سے 1400 سال پہلے تھے۔ اسلام اور اس کی معیار پسندی نے ہمیں جمہوریت کا سبق سکھایا ہے۔''

سماجی انصاف، مساوات، احساسِ ذمہ داری:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسلامی ریاست کے اساسی اصولوں کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اسلام نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہم تمام انسانوں کو برابر سمجھیں، ہر شخص کے ساتھ انصاف اور حسن سلوک کا معاملہ کریں۔ ہم شاندار روایات کے امین ہیں اور پاکستان کے مستقبل کے معمار کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے پوری طرح آگاہ ہیں۔''

بنیادی انسانی حقوق:۔

جنوبی ایشیا کی ہندو قیادت میں دو طرح کے لوگ تھے۔انتہا پسند اور اعتدال پسند۔ بد قسمتی سے تاریخ کے اس مرحلے میں جب انگریز ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے تھے اور برّصغیر کی قیادت مقامی ہاتھوں میں منتقل ہونے والی تھی کانگرس کی سیاست پر انتہا پسندوں نے مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔اس صورتِ حال میں مسلمان قوم اور خطے کے دوسرے اقلیتی گروہوں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ہندوستان پر ہندوانتہاء پسندوں کی حکومت قائم ہوگئی تو وہ غیر ہندوؤں کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کر دیں گے۔ یہ بات مطالبہ پاکستان کا ایک بہت بڑا محرک بن گئی اور اسی وجہ سے مطالبہ پاکستان کو شمال مغربی ہندوستان کی غیر مسلم اقلیتوں کی حمایت بھی حاصل ہوگئی۔دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے حصول کا مقصد ہی اس خطے کے لوگوں یعنی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ تھا۔ قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ انسانی حقوق کے بہت بڑے علمبردار تھے۔انہوں نے 11 اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے ایک پیغام پاکستان کے شہریوں کو بھی دیا۔انہوں نے فرمایا:

> ''آپ آزاد ہیں۔آپ اپنے مندروں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔آپ اپنی مسجدوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں، آپ کا مذہب کچھ بھی ہو آپ اپنی عبادت گاہوں میں جانے کے لیے مکمل طور پر آزاد ہیں، مملکتِ پاکستان کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوگی کہ آپ کا عقیدہ، مذہب یا ذات کیا ہے۔۔ ہم اپنے سفر کا آغاز اس بنیادی اصول کی روشنی میں کر رہے ہیں کہ ہم سب مملکتِ پاکستان کے شہری اور مساوی درجے کے شہری ہیں۔''

پاکستان: جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی جدوجہد کا حاصل

1857ء سے قیامِ پاکستان تک۔۔۔اہم واقعات

برطانوی نظامِ حکومت کا نفاذ:۔

1857ء میں ہندوستان پر مسلمانوں کی آٹھ سو سال سے قائم حکومت ختم کر دی گئی۔1858ء میں ہندوستان میں براہِ راست تاج برطانیہ کی حکومت قائم ہوگئی۔

علی گڑھ تحریک:۔

سر سید احمد خان رحمۃاللہ علیہ نے مسلمانوں کے مسائل کا حل انگریزی تعلیم اور انگریزوں سے مفاہمت میں تلاش کیا۔انہوں نے 1875ء میں علی گڑھ سکول کی بنیاد رکھی اور بہت سے تعلیمی اور تحقیقی ادارے قائم کیے نیز رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔1867ء میں اردو ہندی تنازعہ شروع ہوا تو سر سید رحمۃاللہ علیہ نے وقت سے پہلے محسوس کر لیا کہ مستقبل میں ہندو اور مسلمان دونوں قومیں کسی کام میں متحد نہ ہو سکیں گی اور دونوں کے راستے جدا ہو جائیں گے۔

انتہا پسند ہندو تحریکیں:۔

بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں انتہا پسند ہندوؤں نے ''آریہ سماج'' جیسی مسلم دشمن تحریک شروع کی جس کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا۔ بنکم چندر اچیٹرجی نے ایک ناول ''آنند مٹھ'' لکھ کر ہندوؤں کے جذبات کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ ''بندے ماترم'' ترانہ اسی ناول کا حصہ ہے۔

پاکستان جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کی 90 سالہ جدوجہد کا حاصل ہے۔ اس جدوجہد کی نوعیت سمجھنے کے لیے اس نوّے سالہ دور کے اہم ترین واقعات سے ہمارا واقف ہونا ضروری ہے۔

تقسیم بنگال:۔

1905ء میں وائسرائے لارڈ کرزن نے انتظامی مشکلات کے پیش نظر صوبہ بنگال کو دو حصوں مشرقی بنگال اور مغربی بنگال میں تقسیم کر دیا۔ اس تقسیم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا لیکن ہندوؤں اور کانگریس نے اس تقسیم کی مخالفت کی جس سے مسلمان یہ محسوس کرنے لگے کہ انہیں ایک ایسی جماعت قائم کرنی چاہیے جو صرف ان کی نمائندگی کرے۔

شملہ وفد اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ:۔

35 مسلمان رہنماؤں کے ایک وفد نے یکم اکتوبر 1906ء کو شملہ میں وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کر کے مسلمانوں کے مطالبات پیش کیے۔ جن میں جداگانہ انتخاب کا مطالبہ سرفہرست تھا۔ وائسرائے نے وفد کے مطالبات کا حوصلہ افزاء جواب دیا۔

مسلم لیگ کا قیام:۔

شملہ وفد کی کامیابی سے حوصلہ پا کر دسمبر 1906ء میں ''محمڈن ایجوکیشنل'' کانفرنس کے سالانہ اجلاس میں ''آل انڈیا مسلم لیگ'' کے قیام کا فیصلہ کیا گیا۔ مسلم لیگ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے جائز مطالبات کو آئینی طریقے سے حکومت کے سامنے پیش کیا جا سکے۔

آئینی مسئلے کے حل کی تجاویز:۔

ہندوستان کے آئینی مسائل بہت پیچیدہ تھے۔ ہندوؤں، مسلمانوں اور حکومت برطانیہ کے نقطہ ہائے نظر کے درمیان مفاہمت کی راہ تلاش کرنے کے لیے تینوں فریقوں کی طرف سے بہت سی کوششیں کی گئیں۔ جن میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل تھیں:

1۔ منٹو مورلے اصلاحات یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1909ء (مسلمانوں کے مطالبات کی روشنی میں حکومت برطانیہ کی رعایتیں خصوصاً جداگانہ انتخاب)

2۔ میثاق لکھنو 1916ء (کانگریس اور مسلم لیگ کے متفقہ آئینی مطالبات)

3۔ مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات یا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1919ء۔

4۔ دہلی مسلم تجاویز 1927ء (قائداعظم کی ایک اور مصالحانہ کوشش)

5۔ سائمن کمیشن 1928ء۔

6۔ نہرو رپورٹ 1928ء (کانگریس کا مسلم دشمنی پر مبنی نقطہ نظر)

7۔ آل پارٹیز مسلم کانفرنس (1929-1928)

8۔ قائداعظمؒ کے چودہ نکات 1929ء (مسلمانوں کے کم سے کم آئینی مطالبات، قائداعظمؒ کی طرف سے کسی متفقہ آئینی حل پر پہنچنے کی ایک کوشش)

9۔ گول میز کانفرنس (لندن) 1930ء تا 1932ء تین اجلاس (حکومت برطانیہ کی طرف سے کسی متفقہ آئینی حل تک پہنچنے کی ایک کوشش)۔

10۔ نیا آئینی ڈھانچہ۔۔۔۔1935ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ۔

11۔ کرپس مشن کی آمد اور ناکامی (1942)

12۔ کابینہ مشن کا منصوبہ (1946ء) ہندوستان کے آئینی مسئلے کے حل کی ایک مخلصانہ برطانوی کوشش۔

13۔ وزیراعظم برطانیہ کا اعلان 20 فروری 1947ء (جون 1948ء تک ہندوستان چھوڑنے کا فیصلہ)

14۔ مونٹ بیٹن کی آمد۔ تین جون کا منصوبہ 1947ء (تقسیم ہند کا حتمی اعلان)

15۔ قانونِ آزادی ہند جولائی 1947۔ (برطانوی پارلیمنٹ سے منظوری)

مسلم لیگ کی جدوجہد کا ارتقاء:۔

1۔ قیام۔۔۔۔۔ڈھاکہ 1906ء۔

2۔ 1908ء مسلم لیگ کی لندن شاخ کا قیام۔

3۔ 1913ء مسلم لیگ کے مقاصد میں واضح تبدیلی۔ برطانوی حکومت کے زیرِ سایہ سیلف گورنمنٹ کا مطالبہ۔

4۔ 1913ء میں قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی مسلم لیگ میں شمولیت۔

5۔ 1916ء کانگریس لیگ مصالحت (میثاق لکھنو)

6۔ 1920ء قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی ہوم رول لیگ اور کانگریس سے علیحدگی۔

7۔ 1927ء تجاویز دہلی۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی اور مصالحانہ پیش کش۔

8۔ 1929ء قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کے چودہ نکات پر مبنی قرارداد کی منظوری۔

9۔ 1930ء الہٰ آباد (علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ کی طرف سے مسلمانوں کی سیاسی خودمختاری کی تجویز)

10۔ 1935ء قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی طرف سے مسلم لیگ کی تنظیم نو کے اقدامات

11۔ 1937ء انتخابات میں مسلم لیگ کی ناکامی

12۔ 1937ء تا 1939ء کانگریسی حکومتوں کے خلاف عوامی تحریک، مسلم لیگ کے عوامی دور کا آغاز۔

13۔ 1940ء قرارداد پاکستان کی منظوری۔

14۔ 1945-46ء میں انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی۔

15۔ 16 اگست 1946ء ڈائریکٹ ایکشن ڈے، مسلم لیگ کی طرف سے پورے ہندوستان میں اپنی عوامی طاقت کا مظاہرہ۔

دیگر اہم واقعات:۔

1۔ تقسیم بنگال کی تنسیخ 1911ء

2۔ علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ دے دیا گیا 1920ء۔

3۔ تحریک خلاف کا آغاز 1919ء (مقصد یہ تھا کہ انگریز جنگ عظیم اول میں اپنی فتح کے نتیجے میں مسلمانوں کے اتحاد کی علامت ترکی خلافتِ اسلامیہ کو ختم نہ کر دیں۔ یہ ہندو مسلم اتحاد کا مثالی دور تھا۔)

4۔ 1924ء مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ لہٰذا تحریک خلافت بھی دم توڑ گئی۔

5۔ 1923-24ء سول نافرمانی کی تحریک، جو خلافت کے تحفظ کے لیے گاندھی جی کی قیادت میں شروع کی گئی تھی، ختم ہونے کے ساتھ ہی پورے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کا دور شروع ہو گیا۔

6۔ 1933ء چوہدری رحمت علی رحمۃاللہ علیہ نے پاکستان کا نام تجویز کیا اور پاکستان نیشنل موومنٹ قائم کی۔

7۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ جو ہندوستان کی سیاست اور مسلمانوں کی بے حسی سے دل برداشتہ ہو کر 1931ء میں لندن میں مقیم ہو گئے تھے، 1934ء میں مسلمان رہنماؤں اور خاص طور پر علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ کی درخواست پر واپس ہندوستان تشریف لے آئے۔

8۔ 1937ء ہندوستان کے گیارہ میں سے آٹھ صوبوں میں کانگریس یا اس کی حامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان میں سے اکثر حکومتوں نے بُری حکمرانی کی مثال قائم کی اور مسلمانوں کے خلاف تعصب کا مظاہرہ کیا۔

9۔ 1937ء "پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن" نے علامہ اقبال رحمۃاللہ علیہ کے مشورے پر آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ اپنے آئین میں شامل کر لیا۔

10۔ اکتوبر 1939ء کانگریسی وزارتیں جنگ عظیم میں ہندوستان کی شمولیت کے مسئلے پر برطانوی حکومت سے اختلاف کی بناء پر مستعفی ہو گئیں۔

11۔ 22 دسمبر 1939ء قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی اپیل پر مسلمانوں نے یوم نجات منایا (یعنی بُری حکومتوں سے نجات کا دن)

12۔ جون 1945ء شملہ کانفرنس میں وائسرائے لارڈ ویول اور ہندوستانی لیڈر کسی متفقہ آئینی حل پر پہنچنے میں ناکام ہو گئے۔

13۔ اکتوبر 1946ء مسلم لیگ نے عبوری حکومت میں شرکت کر کے اسے ناکام بنا دیا۔

14۔ 11 اگست 1947ء کراچی میں پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا پہلا اجلاس ہوا۔

15۔ 14 اگست، انتقال اقتدار کی تقریب سے برطانیہ کے آخری وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کا الوداعی خطاب۔۔۔۔۔ایک نئے دور کا آغاز۔

آئندہ صفحات میں ہم چند ایسے واقعات کا تفصیل سے مطالعہ کریں گے جو تحریک پاکستان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اوپر بیان کیے گئے پس منظر کی روشنی میں ان تاریخ ساز واقعات کو سمجھنا ہمارے لیے آسان ہو گا۔

تحریک علی گڑھ

علی گڑھ تحریک کا پس منظر:۔

1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر انگریزوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا جس نے جنوبی ایشیا کی سیاسی اور معاشرتی زندگی کی بنیادیں تک ہلا دیں۔ اس دور میں سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ جیسی تاریخ ساز شخصیت پیدا ہوئی۔ انہوں نے جنگ آزادی میں انگریزوں کی مدد کی تھی اور ان کی جانیں بچائی تھیں کیونکہ وہ بدلے ہوئے حالات میں حکومت برطانیہ سے تصادم کی پالیسی کو مسلمانوں کے لیے مہلک سمجھتے تھے۔ سر سیدؒ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ انگریز حکومت کی مخالفت چھوڑ کر انگریزوں سے مفاہمت کی راہ پر چلیں۔ سیاست سے الگ رہیں، انگریزی تعلیم حاصل کریں، سرکاری ملازمتیں حاصل کریں اور انگریزوں کی وفادار رعایا بن کر رہیں۔

سر سیدؒ کی اس تحریکِ مفاہمت کو ہماری تاریخ میں ''علی گڑھ تحریک'' کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا طبقہ اس تحریک سے متاثر ہوا جب کہ ایک اس سے بھی بڑے طبقے نے مفاہمت کے رویئے کو اپنی ملی غیرت اور دینی تقاضوں کے خلاف سمجھ کر اس کی مخالفت کی اور کہا کہ سر سیدؒ کا پروگرام خواہ کتنی ہی نیک نیتی اور خیر خواہی پر مبنی کیوں نہ ہو ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مسلمان ہمیشہ کے لیے انگریزوں کی ذہنی غلامی کا شکار ہو جائیں گے۔

سر سیدؒ کی تحریک کے مقاصد کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ مسلمانوں اور انگریزوں میں مفاہمت پیدا کرنا، دونوں کو ایک دوسرے کے قریب لانا۔

2۔ مسلمانوں میں تعلیم کو عام کرنا، انہیں انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم دینا اور انگریزی تہذیب سے مانوس کرنا۔

3۔ مسلمانوں کو انگریزوں کی وفادار رعایا بنا کر انہیں سیاست سے الگ رکھنا۔

4۔ مسلمانوں اور ہندوستان کی دوسری قوموں میں مفاہمت اور دوستی کے تعلق کو پروان چڑھانا۔

مساعی:۔

سر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے جو اقدامات کیے ان میں سے اہم ترین مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔اسباب بغاوت ہند:۔

1859ء میں سر سیدؒ نے برطانوی پارلیمنٹ کے ارکان کے لیے "اسباب بغاوت ہند" کے نام سے ایک مختصر کتاب لکھی۔انہوں نے لکھا کہ 1857ء کی بغاوت کو کسی طرح مسلمانوں کی جنگ آزادی کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ یہ محض چند شرارتی لوگوں کا کھڑا کیا ہوا ہنگامہ تھا۔انہوں نے کہا کہ برطانوی حکومت کی بعض غلط پالیسیاں بھی لوگوں کو بغاوت پر اکسانے کا باعث بنیں۔ مسلمان ہمیشہ 1857ء کے واقعات کو "جنگ آزادی" کہتے رہے ہیں لیکن سر سیدؒ نے اسے غدر اور بغاوت ہی لکھا ہے۔

2۔لائل محمڈنز آف انڈیا:۔

1860ء میں سر سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے "لائل محمڈنز آف انڈیا" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔اس رسالے میں ان خاندانوں کی خدمات کا تذکرہ کیا جاتا تھا جنہوں نے جنگ آزادی کے زمانے میں اپنی جانوں کو خطرے میں ڈال کر انگریزوں کی مدد کی تھی اور ان کی جانیں بچائی تھیں۔

3۔انگریزوں سے مفاہمت کی کچھ اور کوششیں:۔

مسلمانوں اور انگریزوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے کی کوششوں میں سر سید رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ، تحقیقِ لفظ نصاریٰ، انجیل کی تفسیر، تبئین الکلام، رسالہ احکامِ طعام اہل کتاب اور رسالہ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

4۔سکولوں کا قیام:۔

اپنی ملازمت کے دوران سر سید رحمۃ اللہ علیہ نے 1859ء میں مراد آباد میں اور 1862ء میں غازی پور میں سکول قائم کیے۔

5۔سائنٹیفک سوسائٹی کا قیام:۔

1863ء میں سر سیدؒ نے سائنٹیفک سوسائٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی زبان میں شائع ہونے والی اہم علمی کتابوں کو اُردو میں ترجمہ کرایا جائے۔

6۔انگلستان کے تعلیمی نظام کا جائزہ:۔

1869ء میں سر سید رحمۃ اللہ علیہ کو انگلستان جانے کا موقع ملا۔انگلستان میں انہوں نے اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں کے نظام کا مطالعہ کیا۔انگلستان سے واپسی پر انہوں نے "خواستگاری ترقی تعلیم مسلمانانِ ہند" کے نام سے ایک کمیٹی قائم کی۔

7۔ایم اے او سکول کی بنیاد:۔

کمیٹی نے پہلے قدم کے طور پر 1875ء میں علی گڑھ کے مقام پر محمڈن اینگلو اورینٹل سکول (ایم۔اے۔او سکول) قائم کیا۔

8۔کالج کا قیام:۔

دو سال بعد، 1877ء میں قائم ایم اے او سکول کو کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ کالج کا سنگِ بنیاد وائسرائے لارڈ لٹن نے رکھا۔ وائسرائے نے اپنی جیب سے دس ہزار روپے چندہ دیا۔

9۔محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا قیام:۔

ہندوستان کے دوسرے حصوں میں جا کر مسلمانوں کو تعلیم کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے لیے 1886ء میں سر سیدؒ نے محمدن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی، سر سیدؒ کے انتقال کے بعد 1906ء میں اسی کانفرنس کے ایک جلسے میں مسلم لیگ کی بنیاد رکھی گئی۔

10۔سیاسی خدمات اور دو قومی نظریہ:۔

سیاست کے میدان میں سر سید احمد خان رحمۃاللہ علیہ کی مندرجہ ذیل خدمات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

الف۔ انہوں نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل (Imperial Lagislative Council) کے رکن کی حیثیت سے ہندوستانیوں کے مطالبات کے حق میں آواز اٹھائی۔

ب۔ 1867ء میں جب بنارس کے ہندوؤں نے اُردو کی بجائے ہندی کو سرکاری دفاتر میں رائج کرنے کی تحریک چلائی تو سر سید رحمۃاللہ علیہ جو ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے، انھیں نہایت مایوسی ہوئی۔ انہوں نے مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ اس کی وضاحت انہوں نے ان الفاظ میں کی:

''وائسرائے کی کونسل میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی تعداد متعین ہونی چاہیے ہندو ممبروں کو ہندو منتخب کریں اور مسلمان ممبروں کو مسلمان''۔

مسلم لیگ کا قیام

قیام کا پس منظر:۔

مندرجہ ذیل اسباب مسلم لیگ کے قیام کا باعث بنے۔

1۔ برطانوی نظام حکومت:۔

1858ء کے بعد قائم ہونے والا برطانوی نظام حکومت جمہوری تھا۔ ہندو چونکہ تعداد میں زیادہ تھے لہٰذا جمہوری نظام میں ہندوستان کی حکومت کے قابض ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ معاشی طور پر انگریز مسلمانوں کو پہلے ہی پس ماندہ بنا چکے تھے۔

2۔انتہا پسند ہندوؤں کا تعصب:۔

1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے اردو کے خلاف اور ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے حق میں تحریک چلائی۔ اس دور میں ہندو انتہا پسندوں نے مسلمانوں کے خلاف ''آریہ سماج''، جیسی تحریکیں چلا کر اُنہیں دوبارہ ہندو بنانے کی کوشش کی۔ ہندو ادیبوں اور شاعروں نے مسلمانوں کے خلاف نفرت اور تعصب پھیلایا اور لوگوں کے جذبات بھڑکائے۔

3۔انڈین نیشنل کانگرس کی بنیاد:۔

1885ء میں ایک ریٹائرڈ انگریز افسر اے او ہیوم نے ''انڈین نیشنل کانگریس'' کی بنیاد رکھی۔ ہندوؤں نے اس جماعت کا خیر مقدم کیا اور بڑی تعداد میں کانگرنس میں شامل ہو گئے۔

4۔جداگانہ انتخابات کا مطالبہ:۔

سرسیدؒ نے کہا کہ برطانوی طرز کا جمہوری نظام ہندوستان کے حالات کے مناسب نہیں ہے کیونکہ اس طریق انتخابات کے نتیجے میں مسلمان ہمیشہ کے لیے ہندوؤں کے غلام بن جائیں گے۔انہوں نے جداگانہ انتخاب کی تجویز پیش کی۔اس تجویز کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمان اپنی نمائندہ سیاسی جماعت قائم کریں۔

5۔بنگال کی تقسیم اور کانگریس کا رویہ:۔

1905ء میں برطانوی حکومت نے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ چونکہ مشرقی بنگال کے مسلم اکثریت کا صوبہ بن جانے سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا اس لیے ہندوؤں نے اس کی مخالفت شروع کر دی اور پورے ملک خصوصاً بنگال میں توڑ پھوڑ اور تشدد کی تحریک چلائی۔کانگرس نے اس تحریک میں ہندوؤں کی حمایت کر کے مسلمانوں کو مایوس کر دیا۔

6۔برطانیہ میں حکومت کی تبدیلی:۔

1905ء کے انتخابات میں برطانیہ میں لبرل پارٹی برسر اقتدار آگئی۔اس پارٹی نے ہندوستان میں آئینی اصلاحات نافذ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مسلمان رہنماؤں نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ انہیں مسلمان قوم کے مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنے چاہئیں۔

7۔شملہ وفد کی کامیابی:۔

35 مسلمان رہنماؤں کے ایک وفد نے یکم اکتوبر 1906ء کو شملہ میں وائسرائے لارڈ منٹو سے ملاقات کی اور مسلمانوں کے مطالبات وائسرائے کے سامنے پیش کئے جن میں اہم ترین مطالبہ یہ تھا کہ تمام نمائندہ اداروں میں مسلمانوں کے لیے نشستیں مخصوص کی جائیں،ان نشستوں پر انتخاب صرف مسلمان ووٹرز کریں۔وائسرائے نے شملہ وفد کے مطالبات سے ہمدردی کا اظہار کیا جس سے مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہوئی۔

8۔آل انڈیا مسلم لیگ کی تاسیس:۔

دسمبر 1906ء میں ''آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس'' کے سالانہ اجلاس کے بعد نواب وقار الملک کی زیر صدارت ایک جلسہ ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا۔ مسلم لیگ کے قیام کی قرارداد نواب سلیم اللہ نے پیش کی۔ مولانا ظفر علی خانؒ، حکیم اجمل خانؒ اور مولانا محمد علی (جوہرؒ) نے اس کی تائید کی، سر آغا پہلے صدر بنائے گئے۔

اغراض ومقاصد:۔

قیام کے وقت مسلم لیگ کے لیے درج ذیل مقاصد کا تعین کیا گیا:

ا۔ ہندوستانی مسلمانوں میں برطانوی حکومت کے لیے وفاداری کے جذبات پیدا کرنا اور حکومت کی کسی کاروائی سے مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے شبہات کو دور کرنا۔

۲۔ مسلمانوں کے حقوق، بالخصوص سیاسی حقوق، کی حفاظت کرنا اور ان کی خواہشات وضروریات کو مودبانہ طریقے سے حکومت تک پہنچانا۔

۳۔ مندرجہ بالا مقاصد کو نقصان پہنچائے بغیر دوسری ہمسایہ قوموں سے مفاہمت اور دوستی کے تعلقات پیدا کرنا۔

مقاصد میں تبدیلی:۔

مارچ 1913ء میں قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی تجویز پر مسلم لیگ کے آئین میں تبدیلی کی گئی اور حکومت سے وفاداری کی بجائے تاجِ برطانیہ کے تحت ''ہندوستان کے حالات کے مطابق سیلف گورنمنٹ کا قیام'' مسلم لیگ کا مقصد قرار پایا۔ اس طرح مسلم لیگ کی تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

تحریک خلافت۔ واقعات ونتائج

پس منظر:۔

پہلی جنگ عظیم (1914ء تا 1918ء) میں برطانیہ اور اس کے اتحادی (جن میں امریکہ بھی شامل تھا) ترکی پر فتح پانے میں کامیاب ہو گئے۔ جنگ کے اختتام پر ایسے حالات نظر آنے لگے کہ اتحادی طاقتیں ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس کے کچھ حصوں پر قابض ہو جائیں گی، مسلمانوں کے مقدس مقامات کی بے حرمتی کی جائے گی اور ترکی خلافت کو جسے پوری دنیا کے مسلمان، عالم اسلام کے اتحاد کی علامت سمجھتے تھے ختم کر دیا جائے گا۔ ان امکانات نے ہندوستان کے مسلمانوں کو مشتعل اور مضطرب کر دیا، انہوں نے خلافت کے تحفظ کے لیے پورے ہندوستان میں ایک زبردست تحریک چلائی جس میں ہندوؤں نے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔

تحریک خلافت کے اہم واقعات:۔

خلافت کمیٹی کا قیام:۔

خلافت کے مسئلے پر رائے عامہ ہموار کرنے کے لیے اور منظم جدوجہد کی غرض سے 1919ء میں ''آل انڈیا خلافت کمیٹی'' کی بنیاد رکھی گئی۔

ہندو مسلم اتحاد اور ترکِ موالات کا فیصلہ:۔

1919ء میں کانگرس نے خلافت کے مسئلے پر مسلمانوں سے تعاون کا فیصلہ کیا اور گاندھی جی کو پروگرام تشکیل دینے کا اختیار دیا۔ گاندھی جی نے حکومت سے عدم تعاون کا چار مرحلوں پر مشتمل پرامن مزاحمت کا پروگرام پیش کیا۔

خلافت وفد:۔

1920ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ کی قیادت میں ایک وفد برطانوی حکمرانوں اور رائے عامہ کو خلافت کے مسئلے پر مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرنے کے لیے برطانیہ گیا۔ حکومتِ برطانیہ نے وفد کی بات سننے سے انکار کر دیا۔

معاہدہ سیورے:۔

مئی 1920ء میں اتحادی طاقتوں نے ایک معاہدے کے ذریعے ترکی کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا۔ یورپ اور عالمِ عرب میں ترکی کے تمام مقبوضہ علاقے اس سے چھین لیے گئے۔ یہ معاہدہ جس مقام پر ہوا اس کا نام سیورے تھا۔

تحریکِ ترک موالات:۔

مولانا محمد علیؒ، مولانا شوکت علیؒ، مولانا ظفر علی خانؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ اور مولانا حسرت موہانیؒ نے اپنی شعلہ بیاں تقریروں سے پورے ہندوستان کو جذبات کا آتش فشاں بنا دیا۔ خلافت کمیٹی نے یکم اگست 1920ء کو پورے ہندوستان میں ہڑتال کرائی اور گاندھی جی کو تحریک عدم تعاون کا لیڈر منتخب کیا۔ ترکِ موالات کی تحریک میں عدالتوں کا بائیکاٹ کیا گیا۔ ملازمین نے سرکاری ملازمتیں ترک کر دیں، طلباء نے حکومت کے تعلیمی ادارے چھوڑ دیئے اور بعض خطاب یافتہ لوگوں نے خطابات حکومت کو واپس کر دیئے۔ علی برادران کو حکومت سے بغاوت کے الزام میں گرفتار کر کے دو سال قید سخت کی سزا دی گئی۔

سول نافرمانی:۔

نومبر 1921ء میں حکومت کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی تحریک شروع ہوئی اور تقریباً بیس ہزار افراد نے گرفتاریاں پیش کیں۔

موپلا بغاوت:۔

1921ء میں جنوبی ہند کے عربی النسل موپلا قبائل اور ہندو ساہوکاروں کے درمیان کسی مقامی مسئلے پر فسادات ہوئے جن کو بہانہ بنا کر حکومت نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈلوا دی، ہندوستان میں متعدد مقامات پر ہندو مسلم فسادات ہوئے۔

چوراچوری کا سانحہ:۔

1922ء میں یو۔ پی کے قصبے چوراچوری میں ایک مشتعل ہجوم نے ایک تھانے کا گھیراؤ کیا اور پولیس کے 21 ملازمین کو جلا کر ہلاک کر دیا۔

تحریک کا خاتمہ:۔

چوراچوری کے سانحہ کو بنیاد بنا کر گاندھی جی نے اعلان کیا کہ چونکہ یہ تحریک اب عدم تشدد کے اصول پر قائم رہی اس لیے اس کو ختم کر دینا بہتر ہے۔ انہوں نے عین عروج کے زمانے میں سول نافرمانی کی تحریک کو ختم کر دیا۔

ا

لیڈرشپ کا ردِّ عمل:۔

تمام ہندو اور مسلمان لیڈروں نے تحریک کے اچانک خاتمے پر افسوس اور حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ اب جبکہ ہندوستان کی آزادی کی منزل قریب آچکی تھی اس قسم کے فیصلے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

خلافت کا خاتمہ:۔

ترکی میں اتاترک کو اقتدار حاصل ہو گیا اور انہوں نے 3 مارچ 1924ء کو خلافت کے ہمیشہ کے لیے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ اس طرح ہندوستان میں خلافت کے حق میں تحریک چلانے کا جواز ختم ہو گیا۔

تحریک خلافت کے اثرات و نتائج:۔

مسلمان خلافت کو قائم نہ رکھ سکے اس طرح تحریک خلافت اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہو گئی۔ اس کے باوجود اس تحریک نے جنوبی ایشیا کی سیاست پر گہرے اور دوررس اثرات مرتب کیے:

1۔ برصغیر میں عوامی سیاست کا آغاز:۔

تحریکِ خلافت ہندوستان کی تاریخ کی سب سے بڑی ملک گیر عوامی تحریک تھی۔ اس تحریک میں سیاسی رہنماؤں کو پہلی مرتبہ عوام سے رابطہ قائم کرنے کا موقع ملا۔ عوام میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ یہ بیداری آگے چل کر ہندوستان کی آزادی اور پاکستان کے قیام کی تحریک میں مددگار ثابت ہوئی۔

2۔ آزادی ہند کی طرف ایک قدم:۔

تحریک خلافت سے انگریزوں کو ہندوستان کے عوام کی زبردست قوت، خصوصاً مسلمانوں کے دینی جذبے کی شدت کا اندازہ ہوا۔ اپنے اسی تجربے کو سامنے رکھتے ہوئے برطانوی حکومت نے بعد میں ہندوستان کو چھوڑنے کا فیصلہ کیا۔

3۔ مسلمانوں کے شعورِ ملی کی تربیت:۔

تحریک خلافت نے مسلمانوں میں دین اور سیاست کی علیحدگی کے غیر اسلامی تصور کو ختم کرنے میں مدد دی۔ تحریک خلافت ایک ایسی سیاسی تحریک تھی جس کی بنیاد ایک دینی مسئلے پر تھی اور اس کی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی۔

4۔ ترک مجاہدین کی حوصلہ افزائی:۔

اگرچہ ہندوستان کے مسلمان خلافت کو زندہ نہ رکھ سکے لیکن جنگ کے نتیجے میں جو کچھ بچ سکا اسے بچانے اور پیش قدمی کر کے دشمنوں سے اپنے علاقے واپس لینے کی جدوجہد میں تحریک خلافت نے ترک سپاہیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ تحریک کے قائدین تحریروں اور تقریروں کو ترجمہ کر کے ترکی میں پھیلایا جاتا جس سے ترکوں میں لڑنے کا نیا ولولہ پیدا ہوتا۔

5 اعتدال پسندی کی فتح:۔

مسلمانوں میں قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسے اعتدال پسند رہنما بھی تھے جو اگرچہ ترکوں سے پوری ہمدردی رکھتے تھے لیکن ان کو یقین تھا کہ اشتعال اور ہنگامہ آرائی کی سیاست کے ذریعے کوئی بڑی اور پائیدار کامیابی حاصل نہیں کی جا سکتی لہٰذا یہ قائدین عملی طور پر تحریکِ خلافت سے علیحدہ رہے اور تحریک کی ناکامی نے ان کے نقطہ نظر کو درست ثابت کر دیا۔

قراردادِ پاکستان

پس منظر:۔

قراردادِ پاکستان ہماری آزادی کی شاہراہ کا سب سے روشن سنگ میل ہے۔ 24 مارچ 1940ء کو لاہور کے ایک تاریخی جلسے میں ملت اسلامیہ ہند نے قطعی طور پر اپنی منزل کا تعین کر لیا۔ اس تاریخ ساز فیصلے کے پس منظر کے اہم ترین واقعات درج ذیل ہیں:

1۔ دو قومی نظریہ:۔

مسلمان اپنے عقیدے کی رو سے ایک جداگانہ قوم ہیں۔ ان کی دینی اور ملی امنگیں ایک ایسی اسلامی ریاست میں زیادہ بہتر طور پر بروئے کار آ سکتی ہیں جہاں وہ آزاد ہوں اور جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے نظام کے تحت زندگی گزار سکیں۔

2۔ انتہا پسند ہندوؤں کی تنگ نظری:۔

ہندوؤں کے ساتھ ایک ہزار سال تک اکٹھا رہنے کے بعد ہندوستان کے مسلمان اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ انتہاء پسند ہندو انھیں کبھی باعزت ہمسایوں کا مقام دینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔ انتہا پسند ہندو پہلے ہی یہ اعلان کر چکے تھے کہ ہندوستان کے مسلمان ہندو مذہب اختیار کر لیں یا ہندوستان چھوڑ دیں۔

3۔ اقبال کا تصورِ ملت:۔

1930ء میں الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کہا شمال مغربی ہندوستان میں مسلمان وسیع و عریض علاقے میں آباد ہیں ان کا یہ حق ہے کہ مستقبل کے ہندوستانی آئین میں ان کے حقوق کا تعین ان کو ایک قوم سمجھتے ہوئے کیا جائے۔

4۔ کانگریس کا دورِ حکومت:۔

ہندو تعصب کا وہ مظاہرہ جو مسلمانوں کے مطالبہ پاکستان کا فوری سبب بنا۔ 1937ء میں قائم ہونے والی کانگرسی وزارتوں کے دورِ حکومت سے تعلق رکھتا ہے۔ 1937ء سے 1939ء تک کام کرنے والی کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں کو متحدہ ہندوستان میں بحیثیت قوم ان کے مستقبل سے مایوس کر دیا۔

ا

5 مسلم لیگ کی مقبولیت:۔

کانگرسی حکومتوں کے مسلمانوں سے تعصب اور قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شاندار حکمت عملی نے اس مسلم لیگ کو جو 1936ء 1937ء کے انتخابات میں بری طرح ناکام رہی تھی، دو سال کی قلیل مدت میں ایک زبردست قوت بنا دیا۔ ہندوستان کے ہر حصے میں مسلمان رہنمائی کے لیے مسلم لیگ کی طرف دیکھنے لگے۔

6۔ مسلم لیگ کا لاہور اجلاس:۔

1940ء میں مسلم لیگ کا سالانہ تاریخی اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ 22 مارچ 1940ء کو بعد از نماز جمعہ منٹو پارک (موجودہ اقبال پارک) میں تقریباً ایک لاکھ افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

> ''لفظ قوم کی کسی بھی تعریف کی رو سے مسلمان ایک قوم ہیں، ان کا اپنا وطن اپنا خطہ ارض اور اپنی ریاست ہونی چاہیے۔ ہم آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے اپنے ہمسایوں کے ساتھ امن اور آشتی سے رہنا چاہتے ہیں۔ یہ کوشش کی جا رہی ہے کہ ہندوستان میں ایک مرکزی حکومت قائم کر دی جائے، حالانکہ بارہ سو برس کی تاریخ شاہد ہے کہ یہ اتحاد کبھی حاصل نہیں ہو سکا، ہندوستان ہمیشہ سے ہی ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم رہا ہے۔''

قرارداد لاہور کی منظوری:۔

23 مارچ 1940ء کو بنگال کے وزیرِ اعلیٰ مولوی فضل الحقؒ نے مسلم لیگ کے لاہور اجلاس میں وہ تاریخی قرارداد پیش کی جو بعد میں ''قرارداد پاکستان'' کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہ قرارداد 24 مارچ کے اجلاس میں منظور کی گئی۔

قرارداد لاہور کے اہم نکات:۔

قرارداد لاہور کی صورت میں مسلمانانِ ہند نے دوٹوک انداز میں یہ بات واضح کر دی کہ وہ مستقبل میں صرف اسی آئین کو قبول کریں گے جو مندرجہ ذیل اصولوں کو سامنے رکھ کر تشکیل دیا جائے گا۔

1۔ وفاقی سکیم کی مخالفت:۔

وہ وفاقی سکیم جو 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ میں پیش کی گئی ہے اس ملک کے حالات میں قطعاً ناموزوں اور ناقابلِ عمل ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اسے کبھی قبول نہیں کریں گے۔

2۔ خود مختار ریاستوں کا قیام:۔

مسلمان صرف اس دستور کو قبول کریں گے جس کے تحت ہندوستان کے شمال مشرق اور شمال مغرب میں واقع علاقوں کو ملا کر آزاد اور خود مختار ریاستوں

-

3 اقلیتوں کے لیے تحفظات:۔

نئی قائم ہونے والی مسلم اور غیر مسلم ریاستوں کے دساتیر میں اقلیتوں کے مشورے سے ان کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی اور انتظامی حقوق و مفادات کی حفاظت کے لیے کافی و موئثر تحفظات رکھے جائیں۔

4۔ ریاستوں کی آزادی کی حدود کا تعین:۔

اس اجلاس نے (مسلم لیگ کی) ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیا کہ مندرجہ بالا بنیادی اصولوں کی روشنی میں ایک ایسی دستوری سکیم مرتب کرے، جس میں ان ریاستوں کو سارے معاملات یعنی دفاع، خارجہ، رسل ورسائل کسٹم اور دیگر ضروری امور کا اختیار دیا گیا ہو۔

تجزیہ:۔

قرارداد لاہور کے تجزیاتی مطالعہ سے مندرجہ ذیل حقائق سامنے آتے ہیں:

نام لیے بغیر آزاد ریاست کا مطالبہ:۔

قرارداد میں کہیں بھی، پاکستان، کا نام استعمال نہیں کیا گیا۔

ریاست (State) کی بجائے ریاستوں (States) کا مطالبہ:۔

قرارداد لاہور میں آزاد ریاست (State) کی بجائے ریاستوں (States) کا لفظ استعمال کیا گیا تھا لیکن 1941ء میں اس الجھن کو دور کرنے کے لیے مسلم لیگ کے مدراس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی، جس میں کہا گیا کہ:

> ''ہر شخص کو یہ بات غور سے سن لینی چاہیے کہ ہم ایک آزاد اور خود مختار مسلم ریاست کے قیام کی کوشش کر رہے ہیں۔''

غیر متعین حدود:۔

قرارداد لاہور میں مطلوبہ ریاستوں کی حدود واضح طور پر متعین نہیں کی گئیں بلکہ خطوں، اکائیوں اور علاقوں وغیرہ کے لفظ استعمال کئے گئے۔

رد عمل کی وضاحت:۔

قرارداد لاہور کی منظوری کے فوراً بعد ہندو اخبارات نے مذاق کے طور پر ''اسے قرارداد پاکستان'' کہنا شروع کیا۔ مسلمانوں نے اس ''طعنے'' کو خوشی سے قبول کر لیا۔ اور کچھ ہی عرصہ بعد قرارداد لاہور، قراردادِ پاکستان کے نام سے مشہور ہو گئی۔ خود قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ عرصہ بعد پاکستان کا نام اپنی تقریروں میں استعمال کرنا شروع کر دیا۔ 1946ء میں دہلی میں ہونے والے مسلم نمائندوں کے کنونشن نے ان تمام نکات کی وضاحت کر دی جو قرارداد پاکستان

1میں واضح نہیں ہو سکے تھے۔

قرارداد لاہور کی اہمیت:۔

قرارداد لاہور کی منظوری کو بلاشبہ مسلمانان ہند کی جدوجہد آزادی کے اہم ترین واقعہ کی حیثیت حاصل ہے۔اس کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں:

نصب العین کا تعین:۔

قرار دادِ لاہور کی صورت میں جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں نے اپنی نمائندہ جماعت آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے پہلی مرتبہ آزاد اسلامی ریاست کے قیام کو اپنا قطعی نصب العین قرار دیا اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانیاں دینے کا عزم کیا۔

مسلم لیگ کی قیادت پر اظہارِ اعتماد:۔

مسلمانوں کی اپنے نصب العین سے وابستگی اور مسلم لیگ پر اعتماد کا مظاہرہ 46-1945ء کے انتخابات میں ہوا۔ یہ انتخابات مسلم لیگ نے پاکستان کے نعرے پر لڑے۔46-1945ء کے انتخابات میں 1937ء کے انتخابات کی یہ شکست خوردہ جماعت ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھری۔

قیام پاکستان:۔

اس قرارداد نے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد کا رخ متعین کر دیا اور انہیں وہ عزم اور حوصلہ عطا کیا جس کے باعث وہ صرف سات سال کی مختصر مدت میں اپنا آزاد وطن ''پاکستان''، حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

کرِپس مشن

دوسری جنگ عظیم کے دوران 1942ء کے ابتدائی مہینوں میں ایک ایسا وقت آیا جب برطانیہ اور اس کے اتحادیوں کی پوزیشن بہت کمزور نظر آنے لگی۔ حکومتِ برطانیہ کو اپنی جنگی ضروریات کے لیے ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے تعاون کی ضرورت تھی۔ لہٰذا برطانیہ کے وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے آئینی تجاویز کا ایک مسودہ تیار کرایا اور مارچ 1942ء میں سر سٹیفرڈ کرپس کے ہاتھوں یہ مسودہ ہندوستان بھیجا۔ کرپس نے ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے گفتگو کرنے کے بعد 30 مارچ 1942ء کو یہ مسودہ شائع کیا۔

کرپس مشن کی تجاویز:۔

1۔ جنگ کے خاتمے پر ہندوستان کے لیے ہندوستان کے نمائندوں پر مشتمل ایک دستور ساز ادارہ قائم کیا جائے گا۔

2۔ ہندوستان کو درجہ نوآبادیت (Dominion Status) دیا جائے گا۔اسے مکمل خود مختاری حاصل ہو گی۔

3۔ دستور ساز ادارے میں شاہی ریاستوں کو بھی نمائندگی دی جائے گی۔

4۔ اس آئین کو نافذ کرنے کی ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہو گی لیکن اگر صوبہ نئے آئین کو قبول نہ کرے تو وہ اپنی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھ سکے گا۔ بعد میں اسے نئے آئین کے تحت وفاق میں شامل ہونے کی آزادی حاصل ہو گی۔

5۔ جنگ کے خاتمے پر صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوں گے۔ صوبائی اسمبلیوں کے ارکان اپنی تعداد کے دسویں حصے کے برابر تعداد میں دستور ساز اسمبلی کے ارکان کا انتخاب کریں گے۔

6۔ جنگ کے خاتمے تک حکومت برطانیہ ہندوستانی عوام کے تعاون سے حکومت کا کاروبار چلاتی رہے گی۔

7۔ اس منصوبے میں ترمیم نہیں کی جاسکے گی اسے مکمل طور پر قبول یا مکمل طور پر مسترد کرنا ہو گا۔

ردعمل:۔

دونوں بڑی جماعتوں کانگریس اور مسلم لیگ نے کرپس کے منصوبے کو مسترد کر دیا۔ کانگرس نے اس لیے کہ وہ حکومت برطانیہ کی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر فوری اور مکمل آزادی کا مطالبہ منوانا چاہتی تھی۔ دوسرے یہ کہ اسے منصوبے میں ہندوستان کی تقسیم کے امکانات نظر آتے تھے۔ مسلم لیگ نے کہا کہ منصوبے میں ایک وفاقی ہندوستان کا تصور پیش کیا گیا ہے جب کہ مسلم لیگ کی یہ طے شدہ پالیسی ہے کہ برصغیر کے مسئلے کا واحد حل برصغیر کی تقسیم ہے۔

1945-46 کے انتخابات

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد دسمبر 1945ء میں مرکزی قانون ساز اسمبلی جنوری 1946ء میں صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے۔ مسلم لیگ نے یہ انتخابات دو اصولوں کی بنیاد پر لڑے:

1۔ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت ہے۔

2۔ مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان کا قیام ہے۔

ان انتخابات میں مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ مرکزی اسمبلی میں مسلمانوں کے لیے 30 نشستیں مخصوص تھیں، جو تمام مسلم لیگ نے جیت لیں۔ دسمبر 1946ء تک صورت حال یہ ہو چکی تھی کہ صوبائی اسمبلیوں کے 495 مسلمان ارکان میں سے 440 ارکان مسلم لیگ سے تعلق رکھتے تھے۔ مسلم لیگ کی اس عظیم کامیابی نے اس کے دونوں دعوؤں کی تصدیق کر دی۔ یعنی یہ ثابت ہو گیا کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی اور یہ کہ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کا متفقہ مطالبہ اور نصب العین تھا۔

مسلم لیگ نے اپنے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے مسلمان نمائندوں کا ایک کنونشن دہلی میں منعقد کیا۔ یہ کنونشن 7 سے 9 اپریل تک جاری رہا۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے کنونش کی صدارت کی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں فرمایا:

> ''ہماری تجویز کے مطابق دستور بنانے کے لیے دو بااختیار دستور ساز اسمبلیاں ہوں گی ایک ہندوستان کے لیے دوسری پاکستان کے لیے۔''

کابینہ مشن کا منصوبہ

پس منظر:۔

46-1945ء کے انتخابات کے دوران حکومت برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ برطانوی کابینہ کے ارکان پر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا جائے گا جو ہندوستانی نمائندوں، سیاسی جماعتوں، رائے عامہ کے مختلف طبقات اور حکومت ہند کے مشورے سے ہندوستان کے دستوری مسئلے کا قابل عمل حل تلاش کرے گا۔

وفد کی آمد:۔

برطانوی حکومت نے تین وزراءپر مشتمل ایک وفد ہندوستان بھیجا جو 24 مارچ 1946ء کو لندن سے دہلی پہنچا۔ کانگریس کی طرف گاندھی جی اور مولانا ابوالکلام آزادؒ نے متحدہ ہندوستان اور وفاقی نظام حکومت کا مطالبہ پیش کیا۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے قیام پاکستان کو ہندوستان کے مسئلے کا واحد حل قرار دیا۔

ہندوستانی قیادت سے مذکرات اور ناکامی:۔

کانگریس اور مسلم لیگ کے نقطہ نظر میں وسیع اختلاف تھا۔ اس اختلاف میں مصالحت کا راستہ تلاش کرنے کے لیے کابینہ مشن کے ارکان نے 5تا 12 مئی 1946ء شملہ میں دونوں بڑی سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی کانفرنس بلائی۔ اس کانفرنس کے دو اجلاس ہوئے لیکن بنیادی اختلافات پر کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکا اس لیے کانفرنس کی ناکامی کا اعلان کر دیا گیا۔

سفارشات:۔

کانفرنس کی ناکامی کے بعد 16 مئی 1946ء کو مشن نے اپنی تجاویز اس دعوے کے ساتھ پیش کیں کہ ان کو قبول کرنے کی صورت میں مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کو ضروری تحفظات بھی حاصل ہو جائیں گے اور ہندوستان کی وحدت بھی برقرار رہ سکے گی۔

تجاویز کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

1۔ آل انڈیا یونین کا قیام:۔

برطانوی ہند اور شاہی ریاستوں پر مشتمل ایک کل ہند یونین قائم کی جائے گی جسے امور خارجہ دفاع اور مواصلات پر کنٹرول حاصل ہو گا۔ مرکز کو ٹیکس لگانے کا اختیار حاصل ہو گا، یونین کی اپنی پارلیمنٹ اور انتظامیہ ہو گی۔

2۔ صوبوں کی گروپوں میں تقسیم:۔

صوبوں کو تین گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ گروپ الف میں چھ ہندو صوبے تھے، گروپ ب میں تین مسلمان صوبے اور گروپ ج میں دو مسلمان صوبے شامل تھے۔

3۔ صوبائی گروپوں کی داخلی آزادی:۔

کہا گیا کہ آئین ساز اسمبلی کے ارکان تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور اپنے اپنے گروپ میں شامل صوبوں کے لیے آئین بنائیں گے۔ نئے آئین کے تحت پہلے انتخابات کے دس برس بعد کسی صوبے کی مجلس قانون سازیہ کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ صوبے کی گروپ سے علیحد گی کا فیصلہ کر سکے۔

4۔ عبوری مرکزی حکومت کا قیام:۔

دستور کی تیاری اور نفاذ تک تمام بڑی سیاسی جماعتوں پر مشتمل ایک عبوری حکومت مرکز میں قائم کی جائے گی جس میں وزارت دفاع سمیت تمام عہدے ہندوستانیوں کو دیئے جائیں گے۔

رد عمل:۔

مسلم لیگ نے کابینہ مشن کا منصوبہ مکمل طور پر منظور کر لیا۔ کیونکہ اس میں قیام پاکستان کے امکانات موجود تھے۔ کانگریس نے گروپوں کی تشکیل اور آئین سازی کے بارے میں تجاویز کو منظور کر لیا لیکن یہ کہہ کر اپنی منظوری کو بے معنی بنا دیا کہ یہ تجاویز محض سفارشات کا درجہ رکھتی ہیں اس لیے دستور ساز اسمبلی (جس میں ظاہر ہے کانگریس کی اکثریت ہو نا تھی) اس منصوبے میں تبدیلیاں کر سکے گی۔ کانگریس کے رویے کو دیکھتے ہوئے مسلم لیگ نے بھی کابینہ مشن کے منصوبے کے لیے اپنی منظوری کو واپس لے لیا۔

شملہ کانفرنس

1944ء میں ویول کو وائسرائے بنا کر بھیجا گیا۔ ویول نے ہندوستان آنے کے بعد برصغیر کے سیاسی مسئلے کے حل کے لیے اپنے منصوبے کا اعلان کیا۔ اس منصوبے میں وعدہ کیا گیا کہ وائسرائے کی انتظامی کونسل میں فوج کے کمانڈر انچیف کے علاوہ باقی تمام ارکان ہندوستانی ہونگے۔ اس میں تمام قومیتوں کو نمائندگی دی جائے گی۔ مسلمان ارکان کی تعداد اعلیٰ ذات کے ہندو ارکان کے برابر ہو گی۔

اپنے منصوبے پر غور و فکر کے لیے ویول نے جون 1945ء میں تمام سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس شملہ میں طلب کی۔ گاندھی جی کے علاوہ تمام اہم قائدین نے شرکت کی۔ کانگریس نے مطالبہ کیا کہ اسے مسلمانوں کے لیے مخصوص نشستوں میں سے ایک نشست پر نمائندہ مقرر کرنے کا اختیار دیا جائے۔ حکومت خود بھی یہ چاہتی تھی کہ پنجاب سے یونینسٹ پارٹی کا ایک مسلمان ممبر نامزد کرے۔ قائد اعظم رحمۃاللہ علیہ کا موقف یہ تھا کہ صرف مسلم لیگ ہی مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے اور صرف اسی کو تمام مسلمان نمائندوں کے تقرر کا حق حاصل ہے۔ اس مسئلے پر اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث کانفرنس ناکام ہو گئی۔

عبوری حکومت کا قیام

کابینہ مشن کے منصوبے پر عمل درآمد کے پہلے مرحلے کے طور وائسرائے لارڈ ویول نے جون 1946ء میں عبوری حکومت قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اعلان کیا کہ اگر کسی ایک یا دونوں بڑی سیاسی جماعتوں (کانگریس اور مسلم لیگ) نے حکومت میں شرکت نہ کی تب متبادل انتظام کر کے حکومت تشکیل دی جائے گی۔ مسلم لیگ نے حکومت میں شامل ہونے پر رضامندی کا اظہار کیا لیکن کانگریس نے شرکت سے انکار کر دیا۔ اب طے شدہ اصول کے مطابق وائسرائے کو چاہئے تھا کہ وہ مسلم لیگ کو حکومت بنانے کی دعوت دیتے مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ ان حالات میں مسلم لیگ نے کابینہ مشن کے منصوبے سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا۔ اور حصول پاکستان کے لیے راست اقدام کا فیصلہ کیا۔

مسلم لیگ کے انکار کے بعد 6 اگست 1946ء کو وائسرائے نے پنڈت نہرو کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی۔ حالانکہ کانگرس نے کابینہ مشن کے منصوبے کو تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ مسلم لیگ نے مسلمانوں سے اپیل کہ وہ 16 اگست 1946ء کو راست اقدام کے دن کی حیثیت سے منائیں۔ اس دن حکومت کے تمام خطاب یافتہ مسلمان اپنے خطابات واپس کر دیں۔ یہ اپیل خاصی موثر ثابت ہوئی، ہندوؤں نے راست اقدام کو ناکام بنانے کے لیے مسلم لیگ کے جلسوں اور جلوسوں پر حملے کیے۔ کلکتہ میں ہندو مسلم فسادات میں ہزاروں افراد ہلاک ہوئے، پورے ملک میں فرقہ وارانہ کشید گی پھیل گئی۔

ان حالات میں حکومت یہ سوچنے پر مجبور ہو گئی کہ مسلم لیگ کے تعاون کے بغیر عبوری حکومت کا چلنا ممکن نہیں ہو گا۔ لہٰذا مسلم لیگ کو بھی حکومت میں شامل ہونے کی دعوت دی گئی جو مسلم لیگ نے قبول کر لی۔ 26 اکتوبر کو مسلم لیگ کے پانچ نمائندوں نے حلف اٹھایا۔ لیاقت علی خان وزیر مالیات بنائے گئے۔ چونکہ تمام محکمے اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے وزارت مالیات کے محتاج تھے اس لیے تمام کانگریسی وزراء مسلم لیگ کے سامنے بے بس ہو گئے۔ لیاقت علی خان نے ایسا بجٹ پیش کیا جس سے کانگریس کی سرپرستی کرنے والے ہندو سرمایہ داروں کے مفادات پر ضرب پڑتی تھی۔ اب کانگرسی لیڈر گھٹنے ٹیک کر خود حکومت سے یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مسلمانوں کو پاکستان دے دیا جائے۔

تین جون کا منصوبہ

پس منظر:۔

20 فروری 1947ء کو برطانیہ کے وزیر اعظم اٹیلی نے دار العلوم میں ایک اہم اعلان کیا جس میں تین باتیں خاص طور پر اہم تھیں:

1۔ حکومت برطانیہ ہر حالت میں جون 1948ء سے پہلے اقتدار ہندوستان کے منتخب نمائندوں کے سپرد کر دینا چاہتی ہے۔

2۔ اگر دستور ساز اسمبلی مقررہ تاریخ تک آئین نہ بنا سکی تو حکومت برطانیہ یہ فیصلہ کرے گی کہ اختیارات کسی مرکزی حکومت کے سپرد کیے جائیں، بعض صوبائی حکومتوں کو دیے جائیں یا کوئی اور طریقہ اختیار کیا جائے۔

3۔ ویول کی جگہ مونٹ بیٹن کو ہندوستان کا نیا وائسرائے مقرر کیا گیا۔

مونٹ بیٹن مارچ 1946ء کے آخری ہفتے میں ہندوستان پہنچے۔ انہیں ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے گفت و شنید کے بعد ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ ہندوستان کو متحد رکھنا اب ناممکن ہو چکا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ہندوستان کی تقسیم کی ایک سکیم مرتب کی اور مئی 1947ء میں یہ سکیم لے کر لندن روانہ ہو گئے۔ حکومت برطانیہ سے منظوری حاصل کرنے کے بعد ہندوستان واپس آکر مونٹ بیٹن نے یہ منصوبہ 2جون 1947ء کو قائداعظم رحمۃاللہ علیہ سمیت ہندوستان کے سات سرکردہ رہنماؤں کو دکھایا۔ ان کی منظوری کے بعد 3جون 1947ء کو وائسرائے نے تقسیم ہند کے اس منصوبے کا اعلان کر دیا۔ تین جون کے منصوبے کے اہم نکات مندرجہ ذیل تھے:

1۔ حکومت برطانیہ ہندوستان میں اپنا بنایا ہوا کوئی دستور نافذ نہیں کرے گی۔ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی اپنا دستور خود مرتب کرے گی۔ تاہم یہ دستور ملک کے ان حصوں پر نافذ نہیں ہو گا جو اسے قبول کرنے سے انکار کریں گے۔ یہ حصے اپنی علیحدہ دستور ساز اسمبلی کے ذریعے اپنا دستور بنا سکیں گے۔

2۔ مختلف صوبوں کی اسمبلیوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے گا کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک دستور ساز اسمبلی میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیں۔ پنجاب، بنگال، سرحد، بلوچستان اور ضلع سلہٹ کے لیے الگ الگ فارمولا منصوبے میں بیان کیا گیا۔

3۔ شاہی ریاستوں کو دونوں میں سے کسی ایک ریاست میں شمولیت کا فیصلہ اپنے حالات اور جغرافیائی پوزیشن کو مد نظر رکھتے ہوئے خود کرنے کا اختیار دیا گیا۔ انہیں یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ آزاد رہ کر کسی ایک ریاست سے معاہدہ کر سکیں۔

4۔ حکومت برطانیہ اسی سال درجہ نوآبادیت (Dominion Status) کے اصول پر ایک یا دو جانشین ریاستوں کو اختیارات منتقل کر دے گی۔

قانونِ آزادی ہند

جولائی 1947ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے تین جون کے منصوبے کی بنیاد پر قانون آزادی ہند کی منظوری دے دی اس قانون میں کہا گیا کہ:

1۔ 15 اگست 1947ء کو ہندوستان پر برطانوی اقتدار ختم ہو جائے گا۔

2۔ ہندوستان کو خود مختار ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

3۔ برطانوی تاجدار کے خطابات سے شہنشاہ ہندوستان کا خطاب حذف کر دیا جائے گا۔

4۔ جب تک دونوں ریاستیں اپنے اپنے دستور تیار نہیں کر لیں گی۔ 1935ء کا گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ دونوں ریاستوں میں عارضی دستور کی حیثیت سے نافذ رہے گا۔

ظہورِ پاکستان

14 اگست 1947ء کو عالمی نقشے پر دُنیا کی سب سے بڑی مسلم مملکت پاکستان کے نام سے ظہور پذیر ہوئی۔ قائداعظم محمد علی جناح رحمۃاللہ علیہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل بنے، یوں جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی مسلم لیگ کی قیادت میں اپنے فیصلہ کن مرحلے سے گزر کر ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔

پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں نے بھاری اکثریت سے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ تاہم چونکہ ان صوبوں کے غیر مسلم اضلاع کے نمائندوں نے صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا تھا اس لیے 30 جون کو دونوں صوبوں کے لیے الگ الگ حد بندی کمیشن قائم کئے گئے۔ سندھ کی اسمبلی اور بلوچستان میں شاہی جرگہ اور کوئٹہ میونسپلٹی کے سرکاری ارکان نے پاکستان کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ صوبہ کے پی کے اور ضلع سلہٹ میں استصواب رائے (Referendum) کرایا گیا جس میں عوام نے بھاری اکثریت سے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ سرسیدؒ نے سن __________ میں علی گڑھ سکول کی بنیاد رکھی۔

2۔ بیسویں صدی کے آخری دو عشروں میں انتہا پسند ہندوؤں نے مسلم دشمن تحریک __________ شروع کی۔

3۔ وائسرائے __________ نے صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔

4۔ شملہ وفد کے مطالبات میں __________ کا مطالبہ سر فہرست تھا۔

5۔ منٹو مورلے اصلاحات کو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ __________ بھی کہا جاتا ہے۔

6۔ گول میز کانفرنس کے اجلاس 1930ء سے __________ تک جاری رہے۔

7۔ سن __________ ء میں مولانا محمد علی جوہرؒ کی قیادت میں خلافت وفد نے انگلستان کا دورہ کیا۔

8۔ __________ نے پاکستان نیشنل موومنٹ قائم کی۔

9۔ سن 1930ء میں الٰہ آباد کے مقام پر __________ نے مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کی۔

10۔ قرارداد لاہور بنگال کے وزیر اعلیٰ __________ نے پیش کی۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ سرسیدؒ نے رسالہ __________ جاری کیا۔ (تہذیب اخلاق، علی گڑھ، حیات جاوید)

2۔ اردو ہندی تنازعہ سن __________ میں شروع ہوا۔ (1857ء، 1867ء، 1897)

3۔ شملہ وفد میں شامل مسلمان رہنماؤں کی تعداد __________ تھی۔ (80، 35، 13)

4۔ قائداعظمؒ سن __________ میں مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ (1906ء، 1913ء، 1929)

5۔ کانگریسی وزارتیں __________ میں قائم ہوئیں۔ (1885ء، 1906ء، 1937)

6۔ کرپس مشن کا منصوبہ 30 مارچ __________ کو شائع ہوا۔ (1942ء، 1946ء، 1947)

7۔ مسلم لیگ نے ____________ 1946ء کو راست اقدام کے دن کی حیثیت سے منایا۔
(16 اگست، 14 اگست، 6 ستمبر)

8۔ سہلٹ اور صوبہ ____________ نے استصواب رائے کے ذریعے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا
(کے پی کے، پنجاب، بلوچستان)

9۔ خلافت کمیٹی نے ____________ کو تحریک عدم تعاون کا لیڈر منتخب کیا۔ (گاندھی جی، مولانا محمد علی جوہرؒ، قائداعظمؒ)

3۔ ص(صحیح) یا غ(غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ شمال مغربی علاقے کے غیر مسلموں نے بھی تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ص غ
2۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا ہم نے پاکستان کا مطالبہ زمین کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے کیا ہے۔ ص غ
3۔ ایک اسلامی ریاست جمہوری اصولوں پر قائم ہوتی ہے۔ ص غ
4۔ بینکم چندرا چیٹر جی نے ایک مسلم دشمن ناول بندے ماترم لکھا۔ ص غ
5۔ مسلم لیگ کی لندن شاخ سن 1906 میں قائم ہوئی۔ ص غ
6۔ قرارداد مقاصد کو قراردادِ پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔ ص غ
7۔ تحریک خلافت کا ابتدائی دور ہندو مسلم اتحاد کا مثالی دور تھا۔ ص غ
8۔ مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت کو ختم کر دیا۔ ص غ
9۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کا اجلاس 11 اگست 1947ء کو ہوا۔ ص غ
10۔ 1937ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ ص غ

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
تاج برطانیہ	1921ء
علی گڑھ یونیورسٹی	1858ء
مسلم لیگ	علامہ اقبال
شملہ وفد	یکم اکتوبر 1906ء
موپلا بغاوت	1920ء

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ نظریہ آئیڈیالوجی سے کیا مراد ہے؟
2۔ اسلام کا نظریہ قومیت کیا ہے؟
3۔ نظریہ پاکستان کا مفہوم مختصراً بیان کریں۔
4۔ اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیجیے۔
5۔ شملہ وفد پر مختصر نوٹ لکھیے۔
6۔ اسباب بغاوت ہند کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
7۔ قیام کے وقت مسلم لیگ کے لیے کن مقاصد کا تعین کیا گیا۔
8۔ مسلم لیگ کے مقاصد میں تبدیلی کب اور کس کی تجویز پر ہوئی؟
9۔ شملہ کانفرنس پر نوٹ لکھیے۔
10۔ قانونِ آزادی ہند کے اہم نکات کیا تھے۔؟
11۔ کرپس مشن کی تین تجاویز تحریر کریں۔

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ 1857ء سے مسلم لیگ کے قیام تک مسلمانوں کی جدوجہد کا احوال بیان کیجیے۔
2۔ تحریک علی گڑھ کا پس منظر اور اس تحریک کے مقاصد کا خلاصہ بیان کیجیے۔
3۔ سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کا جائزہ لیجیے۔
4۔ مسلم لیگ کے قیام کا پس منظر اور اسباب بیان کیجیے۔
5۔ ہندوستان کے آئینی مسئلے کے حل کی جو تجاویز مختلف وقتوں میں پیش کی گئیں، ان کا مختصراً جائزہ لیجیے۔
6۔ تحریک خلافت کے پس منظر اور اہم واقعات پر روشنی ڈالیے۔
7۔ تحریک خلافت کے اثرات و نتائج بیان کیجیے۔
8۔ وہ کون سے اہم واقعات تھے جنہوں نے قرارداد لاہور کی راہ ہموار کی؟ نیز قراردادِ لاہور کے اہم نکات بیان کریں۔
9۔ قرارداد لاہور کا تجزیہ کیجیے نیز یہ بتائیے کہ ہماری تاریخ آزادی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟
10۔ کابینہ مشن کا منصوبہ کیا تھا اور اس پر کانگریس اور مسلم لیگ نے کس رد عمل کا اظہار کیا؟
11۔ تین جون کے منصوبے کا پس منظر بیان کیجیے اور اہم نکات پر روشنی ڈالیے۔

2 اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ابتدائی مسائل

پڑھیں

مسائل

پس منظر:۔

تین جون 1947ء کے منصوبے کے تحت صوبوں کی اسمبلیوں کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا کہ وہ نئی وجود میں آنے والی دونوں مملکتوں (ہندوستان یا پاکستان) میں سے کسی ایک میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیں۔ پنجاب اور بنگال کی صوبائی اسمبلیوں نے بھاری اکثریت سے پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ تاہم چونکہ دونوں صوبوں کے غیر مسلم اضلاع کے نمائندوں نے صوبوں کی تقسیم کا مطالبہ کیا اس لیے 30 جون 1947ء کو دونوں صوبوں کے لیے الگ الگ حد بندی کمیشن قائم کئے گئے۔ جن کا مشترکہ سربراہ ایک برطانوی وکیل سیرل ریڈکلف کو بنایا گیا۔

تقسیم کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا وہ نہایت غیر منصفانہ تھا۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز پیش کی کہ تقسیم اقوام متحدہ کے کسی غیر جانبدار کمیشن سے کرائی جائے۔ ان کی دوسری تجویز یہ تھی کہ حد بندی کے لیے برطانوی عدالت عظمیٰ "پریوی کونسل" کے ججوں کو دعوت دی جائے۔ یہ دونوں تجاویز برطانوی حکومت نے مسترد کر دیں۔ وائسرائے لارڈ مونٹ بیٹن کانگریس کے لیے ہمدردی کے جذبات رکھتے تھے اس لیے انہوں نے ایک ایسے شخص کو حد بندی کے لیے منتخب کیا جو برصغیر کے حالات کے بارے میں قطعی بے خبر تھا اور اس سے پہلے کبھی ہندوستان نہیں آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ مونٹ بیٹن اپنے اعلیٰ منصب سے فائدہ اٹھا کر ایک ایسے شخص کے فیصلوں پر آسانی سے اثر انداز ہو سکتے تھے اور وہ عملاً اثر انداز ہوئے بھی۔

مسئلے کی منصفانہ پوزیشن یہ تھی کہ صوبوں کی تقسیم نہیں ہونی چاہیے تھی لیکن اگر ایسا کرنا ضروری بھی تھا تو اس کے لیے کم از کم ان اصولوں کی پیروی ضرور کی جانی چاہیے تھی جو لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے خود تین جون کے منصوبے کا اعلان کرتے ہوئے اپنی تقریر میں بیان کئے تھے۔ مونٹ بیٹن نے گورداسپور، فیروز پور، تحصیل زیرا اور تحصیل فاضلکا پر پاکستان کا حق خود تسلیم کیا تھا۔

ریڈکلف ایوارڈ اور ناانصافیاں:۔

ریڈکلف نے علاقائی حد بندی کے بارے میں اپنے فیصلے کا اعلان 17 اگست کو کیا، اس فیصلے میں پاکستان کے ساتھ مندرجہ ذیل ناانصافیاں کی گئیں:

تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پنجاب گورداسپور اور فیروز پور کے اضلاع نیز زیرا اور فاضلکا تحصیل بھارت میں شامل کر دی گئیں۔ مشرقی حصے میں کلکتہ شہر، ضلع مرشد آباد اور ندیہ کے علاقے بھارت کے حوالے کر دیئے گئے حالانکہ ان تمام علاقوں پر پاکستان کا واضح حق بنتا تھا۔

ریڈ کلف 8 اگست تک فیصلوں کو حتمی شکل دے چکے تھے۔ حد بندی کمیشن میں مسلم لیگ کے نمائندے جسٹس محمد منیر تھے انہوں نے بعد میں یہ انکشاف کیا کہ ریڈ کلف فیروز پور، اور زیرا نیز جزوی طور پر تحصیل فاضلکا اور فیروز پور ہیڈ ورکس پاکستان میں شامل کرنے پر آمادہ ہو چکے تھے لیکن جب 17 اگست 1947ء کو ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان کیا گیا تو یہ تمام علاقے ہندوستان کے حوالے کر دیئے گئے۔ مبصرین کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے دباؤ پر ہوا۔

مندرجہ بالا علاقوں کے علاوہ اخبار پاکستان ٹائمز کے کچھ اور علاقوں میں بھی ناانصافی کی نشاندہی کی تھی مثلاً تحصیل بٹالہ میں مسلم اکثریت 55 فیصد سے زیادہ تھی۔ بٹالہ شہر میں مسلمانوں کا صنعتی مرکز تھا۔ امرتسر کی تحصیل اجنالہ میں مسلم اکثریت 60 فیصد تھی۔ یہ سب علاقے ہندوستان کو دیئے گئے۔

غلط تقسیم کے نتائج

1۔ تنازعہ کشمیر:۔

ریڈ کلف ایوارڈ ہی تنازعہ کشمیر کی بنیاد بنا۔ اگر ضلع گورداسپور ہندوستان کو نہ دیا جاتا تو ہندوستان کے لیے کشمیر پر قبضہ کرنا کسی طرح ممکن نہ ہوتا کیونکہ اس طرح کشمیر بھارت سے کٹ جاتا۔ کشمیر کو بھارت سے ملانے والا واحد زمینی راستہ گورداسپور کی تحصیل پٹھان کوٹ ہی سے ہو کر گزرتا تھا۔

2۔ کلکتہ کے صنعتی شہر سے محرومی:۔

کلکتہ ہندوستان کا سب سے بڑا صنعتی شہر تھا۔ کلکتہ میں 25 فیصد مسلمان اور 60 فیصد اچھوت تھے۔ اچھوت اپنے شہر کو پاکستان میں شامل کرنا چاہتے تھے ریڈ کلف نے اچھوتوں کے جذبات کی پروانہ کرتے ہوئے کلکتہ ہندوستان کو دے دیا۔

3۔ ہجرت کے مسائل:۔

غیر متوقع تقسیم سے پنجاب کی کثیر مسلم آبادی کو وسیع پیمانے پر نقل مکانی اور قتل وغارت کا سامنا کرنا پڑا جس سے پاکستان کے لیے معاشی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوئے۔

انتظامی مسائل:۔

اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں پاکستان کو سنگین انتظامی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ بیشتر سرکاری ملازم ہندو تھے جو ہندوستان چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد حکومت کا کام چلانے کے لیے غیر تربیت یافتہ لوگوں کا سہارا لینا پڑا۔

تجربہ کار مسلمان افسر دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے انگریز افسروں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ فوج کے سربراہ، بہت سے افسران نیز بعض گورنر اور سیکرٹری انگریز تھے۔ غیر پاکستانی افسران کی وجہ سے بہت سے مسائل بھی پیدا ہوئے مثلاً جب قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے انگریز کمانڈر انچیف کو کشمیر میں فوج بھیجنے کا حکم دیا تو حکم کی تعمیل نہیں کی گئی۔

ا

آزادی کے فوراًبعد کراچی کو دارالحکومت بنایا گیا جہاں ایک ریاست کا نظام چلانے کے لیے درکار ابتدائی سہولتیں بھی موجود نہیں تھیں۔ فوجی بارکوں اور خیموں میں حکومت کے دفتر قائم کیے گئے۔ بھارتی حکومت نے پاکستان کے حصے میں آنے والا دفتری ساز وسامان بھی روک لیا۔ صورتحال اتنی خراب تھی کہ کاغذ تک موجود نہیں تھے۔ ملک چھوڑ کر جانے والے بعض ملازمین دفتری ریکارڈ ضائع کر گئے۔ بہت سا ریکارڈ جو بھارت سے پاکستان لایا جارہا تھا راستے میں انتہا پسند ہندوؤں نے تلف کر دیا، بھارت نے پاکستان آنے والے ملازمین کو پاکستان پہنچانے کے لیے ہوائی جہاز کرائے پر دینے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا برطانیہ سے جہاز کرائے پر لے کر ملازمین اور ضروری ریکارڈ کو پاکستان پہنچایا گیا۔

مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ:۔

ایک قابل اعتماد اندازے کے مطابق تقسیم کے نتیجے میں 55 لاکھ افراد پاکستان سے بھارت گئے اور 65 لاکھ مسلمان بھارتی علاقے سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ اس طرح پاکستان کی معیشت پر اپنے ابتدائی دنوں میں ہی دس لاکھ مزید انسانوں کا بوجھ پڑ گیا۔ مہاجرین کی آبادکاری اور انہیں بنیادی ضروریات کی فراہمی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ایک ''ریفیوجی ریلیف فنڈ'' قائم کیا، اس طرح ان کی ذاتی دلچسپی اور پاکستانی عوام کے بے پناہ جذبۂ ایثار کی بدولت بہت کم وقت میں اس مسئلے پر قابو پالیا گیا۔

اثاثوں کی تقسیم کا مسئلہ:۔

آزادی کے وقت متحدہ ہندوستان کے خزانے میں موجود کل سرمائے کا تخمینہ 4 ارب روپے لگایا گیا تھا۔ حساب کے مطابق پاکستان کو اس میں سے ایک ارب روپیہ ملنا چاہیے تھا لیکن بھارت نے پاکستان کو صرف 75 کروڑ روپے دینے پر رضامندی کا اظہار کیا اس میں سے بیس کروڑ ادا کر کے بقیہ پچپن کروڑ کی ادائیگی کے لیے حکومت ہند نے ٹال مٹول شروع کر دی۔ گاندھی جی نے حکومت ہند پر اس رقم کی ادائیگی کے لیے دباؤ ڈالا تو پچاس کروڑ کی رقم مزید ادا کر دی گئی، پانچ کروڑ پھر بھی باقی رہ گیا۔ دوسری طرف متحدہ ہندوستان کے ذمے واجب الادا قرضہ جات کا 20 فیصد پاکستان کے ذمے ڈال دیا گیا۔ بعض اہلکار جاتے ہوئے دفتروں کا ریکارڈ فیکٹریوں اور فوجی ساز وسامان کے پرزے نکال کر لے گئے اور ہسپتالوں میں مریضوں کے علاج کے لیے استعمال ہونے والی مشینری تک کو ناکارہ بنا گئے۔

فوجی ساز وسامان کی تقسیم کا مسئلہ:۔

تقسیم کا عمل شروع ہوا تو لیاقت علی خان رحمۃ اللہ علیہ نے مطالبہ کیا کہ فوج کی تقسیم کے لیے کوئی فارمولا مرتب کر لیا جائے۔ وزیر دفاع سردار بلدیو سنگھ اور کمانڈر انچیف نے اس وقت ان کے مطالبے کو نظر انداز کر دیا، تاہم جولائی 1947ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تقسیم ہند کے بعد برطانوی ہند کی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے کمانڈر انچیف فیلڈ مارشل آکنیلیک کی صدارت میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی۔ جب فیلڈ مارشل نے فوج کی تقسیم سے متعلق عملی کارروائی شروع کی تو ہندوستان کی حکومت نے اس کمیٹی کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ آکنیلیک وقت سے پہلے چار ماہ پہلے اپنا دفتر بند کر کے انگلستان واپس جانے پر مجبور ہو گئے۔ 28 ستمبر 1947ء کو آکنیلیک نے حکومت برطانیہ کو رپورٹ بھیجتے ہوئے لکھا تھا:

''ہندوستان کی موجودہ کابینہ پختہ ارادہ کر چکی ہے کہ جہاں تک اس کا بس چلے گا مملکت پاکستان کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا نہیں ہونے دے گی۔ بھارت کے لیڈروں، وزیروں اور سول افسران نے افواج کی تقسیم کے کام میں روڑے اٹکانے کی مسلسل کوشش کی ہے۔''

کمیٹی کے چلے جانے کے بعد ہندوستان من مانی کے لیے آزاد ہو گیا۔ ہندوستانی حکومت نے اسلحہ اور فوجی ذخائر سے پاکستان کو اس کے حصے سے بہت کم، ناکارہ اور ٹوٹا پھوٹا کچھ سامان بھیجا۔ پاکستان کے حصے میں آنے والے بحری اور ہوائی جہازوں کی حالت بھی انتہائی ناگفتہ بہ تھی۔ تقسیم کے وقت ملک میں اسلحہ سازی کے سولہ کارخانے تھے وہ سب کے سب ہندوستان کے قبضے میں چلے گئے۔ اس طرح پاکستان نے اپنی زندگی کا آغاز ایک بہت چھوٹی اور وسائل کے لحاظ سے کمزور فوج کے ساتھ کیا۔

نہری پانی کا مسئلہ:۔

برطانوی دور حکومت میں دریائے سندھ کے طاس میں پانی کی فراہم کرنے والی نہریں ایک مربوط نظام کی شکل میں کام کرتی تھیں اور اس زمانے میں یہ دنیا بھر میں آبپاشی کا سب سے بڑا نہری نظام تھا۔ 1947ء میں یہ نظام دو حصوں میں کٹ گیا جس کے نتیجے میں تین دریاؤں ستلج، بیاس اور راوی کے بالائی حصے اور بہت سے نہری ہیڈ ورکس ہندوستان کے قبضے میں چلے گئے۔ مثلاً راوی کا مادھوپور ہیڈ ورکس اور ستلج کا فیروز پور ہیڈ ورکس ہندوستان کو دیئے گئے۔ 1947ء کے آخری دنوں میں کشمیر پر بھارت کے قبضے کے نتیجے میں صورتحال مزید خراب ہو گئی کیونکہ چناب اور جہلم کے بالائی حصے بھی بھارت کے علاقے میں چلے گئے۔ اس طرح بھارت نے پاکستان کی زرعی معیشت کو تباہ کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی، جس کا پہلا عملی مظاہرہ اس نے اپریل 1948ء میں کیا جب اس نے لاہور کے نواحی علاقوں کا پانی کئی ہفتے تک بند رکھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں ایکڑ رقبے پر کھڑی فصلیں تباہ ہو گئیں۔

ریاستوں کے الحاق کا مسئلہ

پس منظر:۔

برصغیر کی تقسیم کے وقت برطانوی ہندوستان میں چھوٹی بڑی شاہی ریاستوں کی تعداد 580 سے زیادہ تھی۔ ان ریاستوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی مملکت کے ساتھ الحاق کر لیں یا آزاد رہنے کا فیصلہ کر لیں۔ 15 اگست 1947ء تک اکثر ریاستوں نے اپنے مستقبل کا فیصلہ کر لیا۔ تین ریاستیں ایسی تھیں جو بر وقت فیصلہ نہ کر سکیں فیصلے میں یہ تاخیر بعد میں دونوں ملکوں کے لیے سخت مشکلات کا باعث بنی وہ ریاستیں جونا گڑھ، حیدرآباد اور کشمیر تھیں۔ ان تینوں ریاستوں کے الحاق کا ہم الگ الگ تذکرہ کریں گے۔

مسئلہ کشمیر:۔

آزادی کا اعلان ہوا تو کانگرسی لیڈروں اور کشمیر کی پڑوسی ہندو اور سکھ ریاستوں خصوصاً پٹیالہ اور کپور تھلہ کے راجاؤں نے کشمیر ہندو مہاراجہ پر زور ڈالنا شروع کر دیا کہ وہ کشمیر کا الحاق ہندوستان سے کر دے۔ وائسرائے نے خود بھی مداخلت کی۔ مہاراجہ نے یوم آزادی سے پہلے ہی پنجاب کی سرحد سے ملنے والے

ا

علاقوں پونچھ اور جموں کے مسلمان باشندوں کے ہتھیار جمع کرالئے اور اپنی فوجیں اس علاقے میں جمع کرنا شروع کر دیں۔ بھارت کے جنوب مشرقی حصے میں بھارت سے ملحق تھا سڑکوں کی تعمیر کا کام تیزی سے شروع کر دیا گیا تا کہ بھارتی فوجوں کو کشمیر پہنچانے میں آسانی ہو۔

ان واقعات سے کشمیری مسلمانوں میں بے چینی کا آغاز ہوا۔ اگست تک پونچھ اور جموں میں مسلح بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ ہندوؤں اور سکھوں نے مسلمانوں کا قتل عام شروع کیا اور گیارہ ہفتے کے عرصے میں پانچ لاکھ مسلمان آبادی سے اس علاقے کو بالکل خالی کرا لیا۔

''تحریک آزادی کشمیر'' کے پاس چونکہ اسلحہ کی کمی تھی اس لیے تحریک کے نمائندے قبائلی علاقے اور صوبہ کے پی کے سے اسلحہ لانے کے لیے بھیجے گئے۔ جب اس علاقے میں مسلمانوں پر مہاراجہ کے مظالم کی خبریں پہنچیں تو بہادر قبائلی کثیر تعداد میں اپنے کشمیر بھائیوں کی امداد کے لیے اسلحہ لے کر کشمیر پہنچنے لگے۔ یہ خبر جب دہلی پہنچی تو انگریز گورنر جنرل اور بھارت کے لیڈروں نے مہاراجہ کشمیر سے ریاست کے بھارت کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کرالئے۔ یوں کشمیر کا ایک بڑا حصہ بھارت کے قبضے میں چلا گیا۔

مہاجرین کی آباد کاری جیسے تکلیف دہ مسئلے اور سنگین بیماری کے باوجود قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک لمحہ کے لیے بھی کشمیر کے مسئلے سے بے خبر اور لاتعلق نہیں رہے۔ انہوں نے پاکستانی افواج کے انگریز کمانڈر انچیف کو کشمیر میں فوج بھیجنے کا حکم دیا تو حکم ماننے سے معذرت کر دی گئی۔ پاکستانی افواج اپنے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے پہنچیں تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ جنوری 1948ء میں بھارت نے کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر دیا اور کشمیر میں رائے شماری کرانے کا وعدہ کیا، اقوام متحدہ نے جنگ بندی کرادی جس سے بھارت کو مقبوضہ کشمیر پر اپنا قبضہ مستحکم کرنے کا موقع مل گیا۔

جوناگڑھ مناوادر اور مانگرول:۔

بمبئی اور کراچی کے تقریباً وسط میں کاٹھیاواڑ کے ساحل پر واقع چھوٹی سی ریاست جوناگڑھ میں زیادہ آبادی ہندوؤں کی تھی لیکن اس کا حکمران مسلمان تھا۔ جوناگڑھ کے نواب نے اپنا قانونی حق استعمال کرتے ہوئے اپنی ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا۔ دو اور چھوٹی چھوٹی ہمسایہ ریاستوں مناوادر اور مانگرول کے نوابوں نے بھی ان کی تائید کی۔ حکومت پاکستان نے الحاق کی منظوری دے دی۔ جب بھارتی حکومت کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی فوجیں جوناگڑھ کی طرف روانہ کر دیں اور ریاست میں ہنگامے شروع کرا دیئے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے نواب صاحب حکومت چھوڑ کر پاکستان آ گئے۔ چند روز بعد بھارتی افواج نے ریاست پر قبضہ کر لیا۔ یہی حشر مناوادر اور مانگرول کا بھی ہوا۔

حیدر آباد:۔

حیدر آباد کا شمار برطانوی ہند کی اہم ترین ریاستوں میں ہوتا تھا۔ 1941ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست کی آبادی ایک کروڑ ساٹھ لاکھ تھی۔ رقبے کے لحاظ سے یہ ریاست برطانیہ اور سکاٹ لینڈ کے مجموعی رقبے کے برابر تھی۔ بے پناہ دولت اور وسائل کے اعتبار سے حیدر آباد میں ایک خود مختار ریاست بننے کی پوری صلاحیت موجود تھی۔ لیکن حیدر آباد کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ اس کی سرحدیں چاروں طرف سے ہندوستانی علاقے سے گھری ہوئی تھیں۔

ریاست کے سربراہ جو نظام کہلاتے تھے، مسلمان تھے، لیکن ریاست میں آبادی کی اکثریت ہندو تھی۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ ریاست حیدر آباد پورے ہندوستان میں مسلمانوں کی عظیم الشان تہذیب کا سب سے بڑا مرکز تھی۔ انہی حقائق کی بناء پر نظام نے حیدر آباد کو آزاد اور خود مختار مملکت کے طور پر قائم

رکھنے کا فیصلہ کیا۔ وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور ہندوستانی حکومت نے نظام پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کی کہ وہ ریاست کا الحاق ہندوستان سے کر دیں۔ حیدر آباد دکن کے مسلمانوں نے ریاست بھارت سے الحاق کے خلاف آخری دم تک مزاحمت کی۔ لیکن 12 ستمبر 1948ء کو قائداعظمؒ کی وفات سے اگلے ہی روز بھارتی فوجیں حیدر آباد میں داخل ہوئیں تو نظام نے اپنی افواج اور اتحاد المسلمین کے رضاکاروں کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دیا۔ اس طرح جنوبی ہند میں مسلم تہذیب و ثقافت کا یہ سب سے بڑا مرکز ہندوستان کے قبضے میں چلا گیا۔

مسائل کے حل کی کوشش

پاکستان کے مخالفین ہمیشہ سے یہ پروپیگنڈہ کرتے آرہے تھے کہ پاکستان انتظامی اور اقتصادی اعتبار سے ناقابل عمل ہو گا اور اگر قائداعظم رحمۃاللہ علیہ پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو بھی گئے تو یہ ملک بہت جلد ٹوٹ جائے گا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد پیش آنے والی مشکلات یقیناً بہت بڑی تھیں اور پاکستان کے مخالفین کے اندازے درست نظر آنے لگے تھے۔ لیکن قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی انتھک محنت اور مضبوط عزم پاکستانی لوگوں کے جذبۂ ایثار اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان مشکلات پر بہت جلد قابو پا لیا گیا۔ آئندہ سطور میں ہم ان کوششوں کا اختصار سے جائزہ لیں گے جو ابتدائی دور میں مسائل کو حل کرنے کے لیے کی گئیں۔

1۔ دستور سازی:۔

کسی مملکت کا نظام آئین کے بغیر ایک دن بھی نہیں چل سکتا۔ لہٰذا قیام پاکستان سے تین دن پہلے ہی قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے 11 اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کیا۔ یہ اسمبلی ان ارکان پر مشتمل تھی جو 46-1945ء کے انتخاب میں مرکزی اسمبلی کے ارکان کے طور پر ان علاقوں سے منتخب ہوئے تھے جو پاکستان کا حصہ بنے۔ اس اجلاس میں قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے مملکت پاکستان کی پالیسی کو واضح کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کا مستقبل کا آئین جمہوری اور اسلامی ہو گا۔ پاکستان میں پاپائیت کی قسم کا مذہبی نظام رائج نہیں کیا جائے گا۔ غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلمان شہریوں کے برابر ہوں گے۔ انہوں نے اسمبلی کو آئین سازی کا کام کم سے کم وقت میں مکمل کرنے کی ہدایت کی۔ 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو معمولی ترمیمات کے ساتھ عارضی دستور کی حیثیت سے ملک میں نافذ کر دیا گیا۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ دستور ساز اسمبلی کے پہلے صدر مقرر ہوئے۔

2۔ حکومت سازی:۔

قائداعظم رحمۃاللہ علیہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل اور لیاقت علی خانؒ پہلے وزیراعظم بنے۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی ہدایت پر وزیراعظم نے ایک پانچ رکنی کابینہ تشکیل دی۔ یہ کابینہ انتہائی لائق افراد پر مشتمل تھی، اگرچہ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کو گورنر جنرل کی حیثیت سے کابینہ کے معاملات میں براہ راست مداخلت کا اختیار حاصل نہیں تھا تاہم قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی اعلیٰ خدمات کی وجہ سے کابینہ نے فیصلہ کیا کہ وہ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی رہنمائی میں کام کرے گی اور انہیں کابینہ کے فیصلے مسترد یا ویٹو کرنے کا اختیار بھی حاصل ہو گا۔

ا

3۔ سرکاری افسر اور ملازمین کی رہنمائی:۔

حصول آزادی کے بعد فوجی اور سول انتظامیہ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے ان کا حوصلہ بڑھایا اور انہیں قومی خدمت کے جذبے سے ان تھک محنت کی ترغیب دی۔ اکتوبر 1947ء کو کراچی میں سول اور فوجی افسران سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے ان ملازمین سے ہمدردی کا اظہار کیا جن کے عزیز واقارب فسادات میں شہید ہوگئے تھے۔ 25 مارچ 1948ء کو سرکاری ملازمین سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

''اب آپ قوم کے حاکم نہیں رہے، آپ کو قوم کے خادموں کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دینے چاہئیں''

4۔ عوام کے اعتماد کی بحالی:۔

ہجرت اور تقسیم ملک کے صدمات اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے معاشی دباؤ نے عوام کو بے حال کر دیا تھا۔ دوسری طرف پاکستان کے دشمنوں کا پروپیگنڈہ اپنے عروج پر تھا جو پاکستانی عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کا ملک چند دن کا مہمان ہے، ان حالات میں قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے خرابی صحت کے باوجود ملک گیر دورے کیے جس سے لوگوں کا حوصلہ بڑھا۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے لوگوں کو یقین دلایا کہ پاکستان ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے اور یہ کہ پاکستان کے دشمنوں کی سازشیں جلد ناکام ہو جائیں گی۔

دیگر اقدامات:۔

- کراچی کو مملکتِ پاکستان کا دارالحکومت مقرر کیا گیا۔
- قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے واضح کر دیا کہ اردو صرف پاکستان کی قومی زبان ہو گی۔
- معاشی مسائل کے حل کے لیے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے ''پاکستان فنڈ'' قائم کیا جس میں لوگوں نے فیاضی سے عطیات دیئے۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی خصوصی توجہ کے باعث گیارہ ماہ کی ریکارڈ مدت میں سٹیٹ بنک کے قیام کی تیاری مکمل کر لی گئی۔ یکم جولائی 1948ء کو قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے سٹیٹ بنک کا افتتاح کیا۔
- نظام عدل کی بنیادی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے قائداعظمؒ نے ''فیڈرل کورٹ'' کے نام سے ملک کی اعلیٰ ترین وفاقی عدالت قائم کی۔ (بعد میں اس کا نام بدل کر سپریم کورٹ آف پاکستان کر دیا گیا)۔
- قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے مہاجرین کی آبادکاری کی طرف خصوصی توجہ دی۔ لوگوں کے ایثار اور قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی ذاتی دلچسپی سے لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ بہت کم وقت میں حل ہو گیا۔ (مہاجرین کی آبادکاری اور بعض اہم اقدامات کی تفصیل ہم الگ الگ عنوانات کے تحت تفصیل سے آگے چل کر مطالعہ کریں گے۔)

قومی اتحاد واستحکام

پاکستان کے دشمنوں کی ایک بہت بڑی چال یہ بھی تھی کہ ملک میں علاقائی، لسانی اور صوبائی تعصبات کو ہوا دی جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں انتشار اور خلفشار پیدا کیا جائے۔ اس خطرے کی بروقت پیش بندی کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے سخت بیماری کی حالت میں تمام صوبوں کے دورے کئے اور لوگوں کو تلقین کی کہ وہ متحد رہیں اور ملک دشمنوں کے پروپیگنڈہ کا شکار نہ ہوں۔ اپنی ایک تقریر میں انہوں نے اسلام کو واحد بنائے اتحاد قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اسلام نے ہمیں یہی سکھایا ہے، اور مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آپ کوئی بھی ہوں اور کہیں بھی ہوں آپ بہر حال مسلمان ہیں۔ اب آپ کا تعلق ایک قوم سے ہے۔ آپ کا اپنا وطن ہے ایک وسیع و عریض وطن، یہ سارا آپ کا اپنا ہے، یہ کسی پنجابی، سندھی، پٹھان یا بنگالی کا نہیں، یہ آپ سب کا ہے۔''

9 اگست 1947ء کو کراچی میں انہوں نے فرمایا:۔

''ایک دوسرے پر اعتماد کرو، ایک دوسرے سے تعاون کرو، پاکستان کو صحیح معنوں میں خوشحال، صحیح معنوں میں متحد اور صحیح معنوں میں طاقتور بنانے کے لیے دن رات کام کرو، دن کو بھی محنت، رات کو بھی محنت، دگنی تگنی محنت۔''

24 مارچ 1948ء کو ڈھاکہ یونیورسٹی کے طلباء کو ان الفاظ میں خبردار کیا۔

''میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ منتشر ہو گے تو گر پڑو گے اور متحد ہو گے تو کھڑے رہو گے۔''

قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کے خوابوں کا پاکستان

مہاجرین کی آبادکاری کا مسئلہ:۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی پڑھ چکے ہیں تقسیم ہند کے نتیجے میں تقریباً 65 لاکھ افراد بھارتی علاقے سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ لہٰذا قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری کو سب سے اہم اور توجہ طلب مسئلے کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے مہاجرین کی آبادکاری کے عمل کی خود نگرانی کی۔ انہوں نے فوری طور پر ''ریفیوجی فنڈ'' قائم کیا اور لوگوں سے اپیل کی وہ اس فنڈ میں عطیات جمع کرائیں۔ 30 اکتوبر 1947ء کو لاہور میں ایک عوامی اجتماع سے خطاب کرتے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا:

''ہم پاکستانیوں پر اب یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ان لاکھوں تباہ حال مہاجرین کی دل کھول کر امداد کریں جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر پاکستان آرہے ہیں ان پر یہ مصیبتیں اس لیے ٹوٹی ہیں کہ وہ مسلمان ہیں۔''

ا

قائد اعظم رحمۃاللہ علیہ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے حکومت کے علاوہ مقامی آبادی نے جس فراخ دلی، ایثار اور اسلامی اخوت کے جذبے سے اپنے مہاجر بھائیوں کی بحالی کے لیے کام کیا اور اس کے نتیجے میں چند سال کے اندر اندر تمام مہاجرین کی آبادکاری اور روزگار کا مسئلہ حل ہو گیا

صوبائیت اور تنگ نظری سے گریز کی تلقین:۔

قائد اعظم رحمۃاللہ علیہ جانتے تھے کہ پاکستان کے اندر اور باہر بہت سے ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے پاکستان کے بن جانے کے بعد بھی اس کو حقیقت کے طور پر تسلیم نہیں کیا تھا۔ ان کی اب بھی یہ خواہش تھی کہ کسی طرح قیام پاکستان کے تجربے کو ناکام ثابت کر سکیں، ان کا سب سے بڑا ہتھیار قوم میں عصبیت اور علاقائیت کے جذبات کو فروغ دے کر پاکستان کی ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنا تھا۔ اس خطرے کا ادراک کرتے ہوئے قائد اعظمؒ نے قوم کو خبردار کیا، انہوں نے فرمایا:

> ''اب ہم پاکستانی ہیں، ہم میں سے کوئی بھی بلوچی، پٹھان، سندھی، بنگالی اور پنجابی نہیں ہے بلکہ سب پاکستانی ہیں۔ ہماری ہر سوچ اور ہمارا ہر عمل پاکستان کی حیثیت سے ہونا چاہیے ہماری عزت اسی میں ہے کہ ہم خود کو پاکستانی سمجھیں۔'' (15جون1948ء)

11اگست 1947ء کو پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم رحمۃاللہ علیہ پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ وہ دور گزر چکا ہے جب مذہب سے لوگوں کو تقسیم کرنے اور ان میں نفرت پیدا کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایسے دور میں اپنی زندگی کا آغاز کر رہے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک آزادی سے اپنے مذہب پر عمل کر سکتا ہے انہوں نے کہا کہ پاکستان کے تمام شہریوں کو خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب اور عقیدے سے ہو یکساں شہری حقوق حاصل ہوں گے۔

پاکستان کی معیشت کے رہنما اصول۔ قائد اعظم رحمۃاللہ علیہ کی نظر میں:۔

یکم جولائی 1948ء کو سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کرتے ہوئے قائد اعظم رحمۃاللہ علیہ نے مغربی معاشی نظام پر سختی سے تنقید کی اور مستقبل کے اقتصادی نظام کے بارے میں قوم کی رہنمائی فرمائی۔ انہوں نے کہا:

> ''مغربی دنیا میں صنعتی قابلیت اور مشینوں کی دولت کے زبردست فوائد رکھنے کے باوجود انسانی تاریخ کے بدترین باطنی بحران میں مبتلا ہے۔ اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظریہ اور نظام اختیار کیا تو اس سے ہمیں اپنے عوام کے لیے امن اور خوشحالی حاصل کرنے کے نصب العین میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانی پڑے گی ہمیں دنیا کے سامنے ایک مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو انسانی مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی تصورات پر قائم ہو۔''

11اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

> ''اگر ہم اس عظیم مملکت کو خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی پوری توجہ لوگوں اور بالخصوص غریب طبقے کی فلاح و بہبود پر مرکوز کرنی پڑے گی۔''

خارجہ پالیسی کے رہنما اصول۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کی نظر میں:۔

قائداعظم رحمۃاللہ علیہ یہ سمجھتے کہ دوسرے ملکوں سے تعلقات استوار کرتے ہوئے پاکستان کو عدم مداخلت اور غیر جانبداری کے اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔انہوں نے فرمایا:

> ''ہماری خارجہ پالیسی دنیا کی تمام قوموں کے ساتھ دوستی اور خیر خواہی کے اصولوں پر مبنی ہے۔ ہم کسی بھی ملک یا قوم کے خلاف جارحانہ عزائم نہیں رکھتے ہم ملکی اور بین الاقوامی معاملات میں ایمانداری اور انصاف کے اصولوں کی بالادستی چاہتے ہیں۔''

قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کا خیال تھا کہ پاکستان کو عالمی برادری میں ایک مستعد اور فعال کردار ادا کرنا چاہیے۔ان کی اسی سوچ کا نتیجہ یہ تھا کہ پاکستان آزادی کے ایک ماہ بعد ہی (ستمبر 1947ء میں) اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔ جلد ہی پاکستان کے دولت مشترکہ ممالک سمیت دُنیا کے اکثر ممالک سے تعلقات قائم ہوگئے۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ مسلم ممالک سے پاکستان کے تعلقات کو خصوصی اہمیت دیتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان ممالک متحد ہوں اور اپنے مسائل کے حل کے لیے مشترکہ حکمت عملی اختیار کریں۔ 27اگست 1948ء میں عیدالفطر کے موقع پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

> ''ہم سب مسلمان اپنی اپنی جگہ خطرات میں گھرے ہوئے ہیں۔ فلسطین،انڈونیشیا اور کشمیر کے مسلمانوں کو ان کا حق دینے کی بجائے ان کے خلاف طاقت کا مظاہرہ کیا جارہا ہے۔ ہماری آنکھیں اب کھل جانی چاہئیں اور ہمیں یہ جان لینا چاہیے کہ ہم متحد ہوکر ہی دُنیا کے ایوانوں میں اپنی آواز کو موثر بنا سکتے ہیں۔''

طلباء کو تعلیم پر توجہ دینے کی ہدایت

31اکتوبر 1947ء کو طلبا کے ایک وفد سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے فرمایا:

> ''پاکستان کو اپنے جوانوں بالخصوص طلباء پر فخر ہے جو آزمائش اور ضرورت کے وقت ہمیشہ پہلی صف میں رہے ہیں۔ آپ مستقبل کے معمار قوم ہیں،اس لیے جو مشکل کام آپ کے سر پر آن پڑا ہے،اسے انجام دینے کے لیے اپنی شخصیت میں نظم وضبط پیدا کیجیے۔ مناسب تعلیم اور مناسب تربیت حاصل کیجیے۔''

21مارچ 1948ء کو ڈھاکہ میں فرمایا:

> ''نوجوان دوستو! اب میں آپ ہی کو پاکستان کا حقیقی معمار سمجھتا ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ آپ اپنی باری پر کیا کچھ کر کے دکھاتے ہیں۔ اس طرح رہیے کہ کوئی آپ کو گمراہ نہ کر سکے، کوئی آپ کو غلط طور پر استعمال نہ کر سکے، اپنی صفوں میں مکمل اتحاد اور استحکام پیدا کیجیے۔ ایک مثال قائم کر دیجیے کہ نوجوان کیا کچھ کر سکتے ہیں۔ آپ کا اصل کام کیا ہونا چاہیے، اپنی ذات سے وفاداری، اپنے ملک سے وفاداری، اپنے مطالعے پر مکمل توجہ۔''

مسائل کے حل کی حکمت:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے عظیم ترین رہنما بنے بلکہ انہیں دنیا بھر کے قائدین میں ایک نمایاں مقام حاصل ہوا۔ پاکستان کا قیام ان کا ایک اتنا بڑا کارنامہ تھا کہ دنیا بھر کی سیاسی تاریخ میں ایسے کارناموں کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔

قائدانہ صلاحیتیں:۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی، اُسکی وجہ ان کی شاندار قائدانہ صلاحیتیں تھیں جن کا مختصر تذکرہ ہم یہاں کریں گے۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ اپنی حکمت عملی ترتیب دیتے ہوئے ہمیشہ وقت اور حالات کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کانگریس سے کیا جو اس وقت روشن خیال اور آزادی پسند ہندوستانیوں کی جماعت سمجھی جاتی تھی۔ 1906ء میں مسلم لیگ بنی تو وہ اس میں اس لیے شامل نہیں ہوئے کہ اس زمانے میں اس پر اعلیٰ طبقے کے مسلمانوں کا قبضہ تھا اور یہ کوئی عوامی جماعت نہیں تھی۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ وہ مسلم لیگ کی پالیسی میں تبدیلی لا سکتے ہیں 1913ء میں وہ صرف مسلم لیگ میں شامل ہو گئے بلکہ بہت کم وقت میں انہوں نے اسے مسلمانان ہند کی مقبول ترین عوامی جماعت بنا دیا۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ ہندو مسلم اتحاد کے بہت بڑے حامی تھے انہوں نے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ کانگرس کو مسلمانوں کے مطالبات ماننے پر آمادہ کر سکیں اور ہندوستان کا اتحاد قائم رہ سکے لیکن کانگریس کی صفوں میں شامل بعض انتہا پسند رہنماؤں نے ان کی تمام مصالحانہ کوششوں کو ناکام بنا دیا تو انہوں نے ایک آزاد مسلم ریاست کے قیام کا مطالبہ آخری چارہ کار کے طور پر کیا۔ لیکن پاکستان کا مطالبہ کرنے اور اس مطالبے کی بنیاد پر 46-1945 کے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد بھی انہوں نے اتنی لچک برقرار رکھی کہ مئی 1946 میں پیش کئے جانے والے کابینہ مشن کے منصوبے کو قبول کر لیا جس میں ایک وفاقی ہندوستان کا تصور پیش کیا گیا تھا۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان کامیابی کی دوسری بڑی وجہ ان کی قانون پسندی تھی۔ وہ پرامن اور آئینی جدوجہد پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو بھی قانون شکنی توڑ پھوڑ اور تشدد آمیز احتجاج کی ترغیب نہیں دی یہی وجہ تھی کہ اپنی تقریباً نصف صدی پر پھیلی ہوئی سیاسی زندگی میں انہیں کبھی جیل نہیں جانا پڑا۔ انہوں نے تحریک خلافت اور تحریک ہجرت جیسی جذباتی تحریکوں سے خود کو اس لیے الگ رکھا کہ انہوں نے ان تحریکوں میں چھپے ہوئے تشدد کے رجحانات کا وقت سے پہلے درست اندازہ کر لیا تھا۔ انہوں نے غیر مقبول ہونا اور سیاست کی دنیا سے عارضی طور پر لاتعلق ہو جانا گوارا کر لیا لیکن کبھی تشدد آمیز رجحانات کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں اور تقریروں کے مطالعے سے ان کی گہری اسلامی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے وہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان تھے لیکن انہوں نے کبھی مذہب کو سیاسی کامیابی کے حصول کا ذریعہ نہیں بنایا۔ وہ پاکستان کو ایک روشن خیال اسلامی ریاست دیکھنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے پاکستان کو کٹر مذہبی ریاست (Theocracy) بنانے کے خیال کو سختی سے مسترد کر دیا۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ بے پناہ شخصی خصوصیات کے حامل تھے، ہندوستانی قیادت میں شاید ہی کوئی لیڈر ذہانت کے اعتبار سے ان کے درجے تک پہنچا ہو۔ ان کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ عمیق تھا وہ اعلیٰ درجے کے مقرر تھے، ان کا استدلال اتنا مضبوط ہوتا تھا کہ مخالف اس کی تاب نہ لا سکتا تھا۔ لیکن ان کی وہ خوبی جو ان کی تمام خوبیوں پر حاوی تھی اور جس نے ان کو حقیقی معنوں میں قائداعظمؒ بنایا ان کی شک وشبہ سے بالاتر دیانت داری اور اصول پسندی تھی۔

برّصغیر کے مسلمان قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ کی قیادت پر غیر مشروط اعتماد رکھتے تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد کے مشکل ایام میں یہی وہ بات تھی جس نے لوگوں کو مشکلات کے مقابلے میں ڈٹ جانے اور آگے بڑھنے کا عزم اور حوصلہ عطا کیا۔ آئندہ سطور میں ہم قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ کی قیادت کے چند بنیادی اوصاف کا الگ الگ عنوانات کے تحت جائزہ لیں گے۔

مذکرات:۔

قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ تمام معاملات کو مذاکرات اور گفت و شنید کے ذریعے حل کرنے پر یقین رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں جب بھی مذکرات کی دعوت دی گئی انہوں نے کبھی اس کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔ 31-1930ء میں وہ حکومت برطانیہ کی دعوت پر لندن گول میز کانفرنس کے لیے تشریف لے گئے۔ نہرو رپورٹ کانگریس کی انتہاپسندی کا مظہر تھی قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ نے بار بار یہ کوشش کی کہ مذکرات کے ذریعے ہندو مسلم اختلافات کے حل کی کوئی صورت نکل آئے۔ 1944ء میں گاندھی جی نے انہیں مذکرات کی دعوت دی تو انہوں نے اسے خوشی سے قبول کر لیا۔ ستمبر 1944ء میں قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ کی رہائش گاہ پر دونوں رہنماؤں کے درمیان طویل مذکرات ہوئے، آزادی کے بعد بھارت نے کشمیر کا مسئلہ کھڑا کیا تو قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ نے اسے اقوامِ متحدہ اور دولتِ مشترکہ کی سطح پر مذکرات کے ذریعے سلجھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے بھارتی حکومت کی طرف سے کی جانے والی گفت و شنید کی پیش کش کو بھی ماننے سے انکار نہیں کیا۔

قیامِ پاکستان کے بعد مئی 1948ء میں مرکزی حکومت نے کراچی کو وفاقی دارالحکومت کے طور پر اپنی تحویل میں لینے کا فیصلہ کیا تو سندھ مسلم لیگ کے ایک موثر گروپ نے اس کی مخالفت کی اور اس فیصلے کو تبدیل کرانے کے لیے ایک مجلس عمل کی تشکیل دی۔ قائدِاعظمؒ نے مجلس عمل کے قائدین کو مذاکرات کے لیے زیارت طلب کیا۔ قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ سے ملاقات کے بعد یہ قائدین اپنے موقف سے دستبردار ہونے پر مجبور ہو گئے۔

محنت، اتحاد، ایمان، تنظیم:۔

قائدِاعظم رحمۃاللہ علیہ نے اپنے پیغام اور تحریک کا خلاصہ چار جامع الفاظ میں بیان فرمایا۔ یہ سنہری اصول آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ اور روشنی کا مینار ثابت ہو سکتے ہیں۔ 30 اگست 1947ء کو لاہور کے تاریخی جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"۔۔۔۔۔اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کام کریں۔

کام کام اور کام : کامیابی ہمارا مقدر رہے۔

یہ نعرہ کبھی نہ بھولیے : "اتحاد، ایمان، تنظیم"

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ ریڈکلف ایوارڈ کا اعلان ______________ 1947ء کو کیا گیا۔

2۔ کلکتہ میں اچھوتوں کی آبادی ______________ فیصد تھی۔

3۔ راوی کا مادھوپور اور ستلج کا ______________ ہیڈورکس ہندوستان کو دے دیئے گئے۔

4۔ ______________ کو پاکستان اقوام متحدہ کا ممبر بن گیا۔ (مہینہ وار لکھیے)

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ حد بندی کمیشن کا سربراہ ______________ کو بنایا گیا (ریڈکلف، ماؤنٹ بیٹن، ریڈکلف ایوارڈ)

2۔ تقسیم کے وقت ہندوستان میں اسلحہ سازی کے ______________ کارخانے تھے۔ (24،18،16)

3۔ تقسیم کے وقت ہندوستان میں شاہی ریاستوں کی تعداد ______________ تھی۔ (16،680،580)

4۔ 1941ء کی مردم شماری کے مطابق ریاست حیدر آباد کی آبادی ______________ تھی۔

(ایک کروڑ، ایک کروڑ ساٹھ لاکھ، ساٹھ لاکھ

5۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد ______________ کو پاکستان کا دارالحکومت بنایا گیا۔ (کراچی، راولپنڈی، اسلام آباد)

6۔ ______________ کو قائداعظمؒ نے سٹیٹ بنک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔

(14 اگست 1947، یکم ستمبر 1947، یکم جولائی 1948

7۔ ستمبر 1944ء میں ______________ کی رہائش گاہ پر جناح گاندھی مذاکرات ہوئے۔ (قائداعظم رحمۃاللہ علیہ، گاندھی، نہرو)

8۔ ______________ 1948ء میں بھارت نے لاہور کے علاقے کا سیراب کرنے والی نہروں کا پانی بند کر دیا۔

(مارچ، اپریل، مئی)

9۔ ریاست حیدر آباد کے مسلمان سربراہ کو ______________ کہا جاتا تھا (نظام، نواب، امیر)

10۔ مہاجرین کی آبادکاری کے لیے قائداعظمؒ نے ______________ فنڈ قائم کیا۔ (ریفیوجی، قائداعظمؒ، ریڈکراس)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ کلکتہ کے ہندو اچھوت یہ چاہتے تھے کہ ان کا شہر پاکستان میں شامل ہو۔ ص غ

2۔ جنوری 1948ء میں بھارت نے کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کے سامنے پیش کر دیا۔ ص غ

3۔ ریاست جوناگڑھ مسلمان اکثریت کی ریاست تھی۔ ص غ

4۔ ریاست حیدر آباد کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ ص غ

5۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ پاکستان کی قومی زبان صرف اور صرف انگریزی ہو گی ص غ

6۔ قائداعظمؒ 1906ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ ص غ

7۔ قائداعظمؒ نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ص غ

8۔ قائداعظمؒ پاکستان کو تھیوکریسی قسم کے مذہبی ریاست بنانا چاہتے تھے ص غ

4۔ **کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملائیے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔**

کالم الف	کالم ب
ریڈکلف	فیلڈ مارشل
گورداسپور	ایوارڈ
آکنیلیک	کشمیر
ستمبر 1948ء	اقوام متحدہ
30 ستمبر 1947ء	حیدر آباد

5۔ **ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔**

1۔ ہندوستان کی غلط تقسیم کس طرح مسئلہ کشمیر کو پیدا کرنے کا سبب بنی؟
2۔ مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلے پر نوٹ لکھیے۔
3۔ قومی اتحاد و استحکام کے حوالے سے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کا ایک قول اُن کے اپنے الفاظ میں نقل کیجیے۔
4۔ مہاجرین کی آبادکاری کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے قائداعظمؒ نے کیا اقدامات کیے؟
5۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ سرکاری ملازمین سے کس طرزِ عمل کی توقع رکھتے تھے؟
6۔ قائدِ عظم رحمۃاللہ علیہ نے طلباء کو کیا نصیحت فرمائی؟
7۔ قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے اپنے پیغام اور تحریک کا خلاصہ کن چار الفاظ میں بیان کیا؟
8۔ معیشت کے بارے میں قائداعظم رحمۃاللہ علیہ کے افکار کا خلاصہ بیان کیجیے۔
9۔ قیامِ پاکستان کے بعد عوام کا اعتماد بحال کرنے کے لیے قائداعظم رحمۃاللہ علیہ نے کیا اقدامات کیے؟
10۔ آکنیلیک نے برطانیہ کو بھیجی گئی رپورٹ میں کیا لکھا؟

6۔ **مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔**

1۔ حدبندی کے معاملے میں ریڈکلف کی ناانصافیوں کا جائزہ لیجیے۔ غلط تقسیم سے پاکستان کو کیا نقصانات پہنچے؟
2۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد پیش آنے والے اہم مسائل کا جائزہ لیجیے۔
3۔ تقسیم کے بارے میں ہندوستان کی حکومت کے رویے پر نوٹ لکھیے۔
4۔ مسئلہ کشمیر پر نوٹ لکھیے۔
5۔ قیامِ پاکستان کے فوراً بعد مسائل کے حل کے حوالے سے کون سے اہم اقدامات کیے گئے؟

3 اسلامی جمہوریہ پاکستان کا جغرافیہ

پڑھیں

پاکستان کے طبعی خدوخال

محل وقوع، وسعت:۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان 24^o اور 36^o شمالی عرض بلد اور 61.00اور 75^o مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے۔ پاکستان کا رقبہ 796096 مربع کلومیٹر ہے۔ 1998ء کی مردم شماری کے مطابق پاکستان کی آبادی 132.35 ملین ہے۔

سرحدیں:۔

پاکستان کی سب سے لمبی سرحد مغرب میں افغانستان سے ملتی ہے۔ جو 2612 کلومیٹر لمبی ہے۔ یہ سرحد 1893ء میں انگریز اور افغان حکمرانوں کے باہمی مشورے سے قائم کی گئی اور اسے ڈیورنڈ لائن کا نام دیا گیا۔

جنوب مغرب میں پاکستان کی سرحد ایران سے ملتی ہے۔ جس کی لمبائی تقریباً 909 کلومیٹر ہے، پاکستان کے مشرق میں بھرت ہے۔ بھارت اور پاکستان کی مشترکہ سرحد کی لمبائی تقریباً 2100 کلومیٹر ہے۔ جنوب میں 1059 کلومیٹر کی ساحلی پٹی ہے۔

ملک کے شمال میں قراقرم کے بلند و بالا سلسلوں کے ساتھ عوامی جمہوریہ چین کی 600 کلومیٹر لمبی سرحد ہے۔ یہ سرحد شمال میں پاکستان کے علاقوں میں گلگت اور بلتستان کو چین کے مسلم اکثریت کے صوبے سنکیانگ سے جدا کرتی ہے۔ شمال ہی میں تاجکستان سے پاکستان کو افغانستان کے علاقے واخاں کی ایک تنگ سی پٹی جدا کرتی ہے۔ یہ پٹی اپنے تنگ ترین مقام پر 20 کلومیٹر چوڑی ہے۔

پاکستان کے قدرتی خطے یا طبعی خدوخال:۔

پاکستان طبعی لحاظ سے ایک ایسے خطے میں واقع ہے جہاں سطح زمین کی بلندی کے تمام درجات بیک وقت مشاہدہ کئے جا سکتے ہیں۔ یہاں ایک طرف ایسے علاقے ہیں جن کی بلندی سطح سمندر کے برابر ہے۔ دوسری طرف دنیا کی بلند ترین چوٹی کے ٹو آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ طبعی خدوخال کے اعتبار سے پاکستان کو تین بڑے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

1۔ پہاڑی علاقے

2۔ پہاڑی سطح مرتفع

3۔ میدانی علاقے

پہاڑی علاقے اور سطح مرتفع مجموعی طور پر پاکستان کے تقریباً 60 فیصد علاقے پر مشتمل ہیں۔ باقی 40 فیصد علاقہ میدانی ہے۔

ارض پاکستان کی جغرافیائی تقسیم

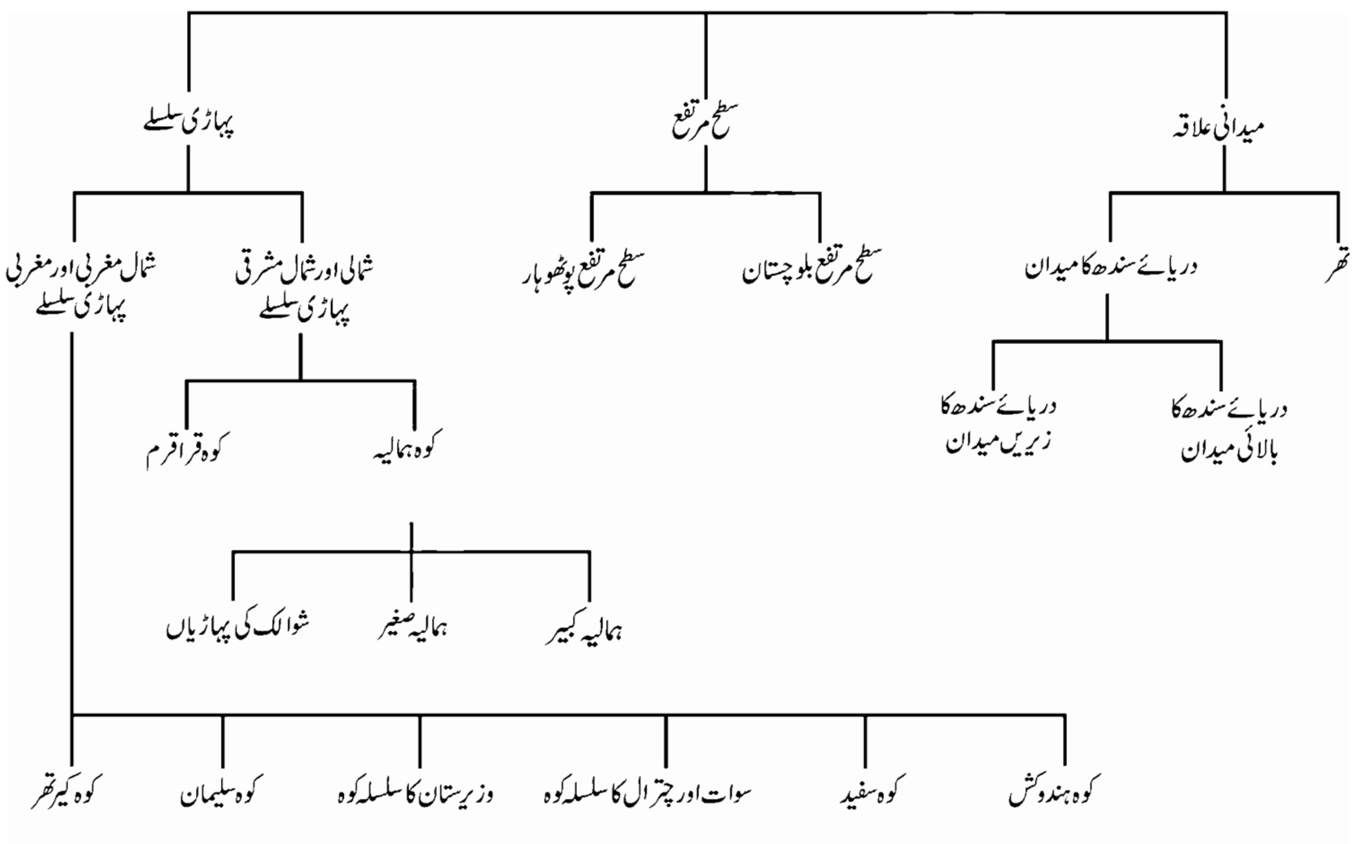

پاکستان کے موسم

موسم گرما:۔

اپریل سے شروع ہو کر ستمبر میں ختم ہوتا ہے۔

موسم سرما:۔

اکتوبر سے فروری تک چلتا ہے۔

موسم بہار:۔

پاکستان میں بہار کا موسم بہت مختصر ہوتا ہے، یہ مارچ اور اپریل دو مہینے کا ہوتا ہے۔

موسم برسات:۔

برسات کا موسم اگست سے اکتوبر تک رہتا ہے۔ ستمبر اور اکتوبر کے مہینوں میں درجہ حرارت شدید نہیں ہوتا۔

بارش

ساحلی علاقہ:۔

ہوا میں سارا سال نمی رہتی ہے۔ لیکن بارش زیادہ نہیں ہوتی۔ بارش کی اوسط 175 ملی میٹر سالانہ ہے۔

برّی آب و ہوا کا میدانی علاقہ:۔

اس علاقے کی آب و ہوا عام طور پر خشک ہوتی ہے۔ شمال میں دامنِ کوہ کے کچھ علاقے کو چھوڑ کر تمام علاقے میں معمولی بارش ہوتی ہے۔

بری آب و ہوا کا پہاڑی علاقے:۔

اس میں شمالی اور شمال مغربی پہاڑی علاقہ شامل ہے۔ ان علاقوں میں موسم گرما میں بارش ہوتی ہے۔ مغربی پہاڑی علاقے کے وسطی حصے میں بارش زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً وزیرستان اور کوہستان کی سالانہ اوسط 250 ملی میٹر ہے لیکن شمال اور جنوب کی طرف پہنچتے پہنچتے ہوائیں آبی بخارات سے خالی ہو جاتی ہیں۔ اس لیے شمالی اور جنوبی علاقوں میں بارش کم ہوتی ہے۔ مثلاً شمال میں سکردو میں بارش کی اوسط 93 ملی میٹر ہے اور جنوب میں مکران کی اوسط 125 ملی میٹر سے کم ہے۔

سطح مرتفع بلوچستان کا بری آب و ہوا کا خطہ:۔

اس خطے میں بلوچستان کے شمال مغربی حصے کو شامل کیا جاتا ہے یہ علاقہ صحرائی نوعیت کا ہے جہاں بارش کی سالانہ اوسط 125 ملی میٹر سے کم ہے۔

درجہ حرارت کے لحاظ سے ارض پاکستان کی تقسیم (آب وہوائی خطے)

درجہ حرارت کے لحاظ سے پاکستان کو چار بڑے خطوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

شمال مغربی پہاڑی خطہ:۔

اس علاقے میں تقریباً آٹھ ماہ سخت سردی پڑتی ہے درجہ حرارت اکثر اوقات صفر درجے سینٹی گریڈ سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔

دریائے سندھ کا بالائی میدان:۔

پاکستان کا صوبہ پنجاب اور صوبہ کے پی کے کا بیشتر علاقہ اس خطے میں واقع ہے۔اس علاقے میں مئی، جون اور جولائی میں سخت گرمی پڑتی ہے۔آندھیاں چلتی ہیں۔اس علاقے میں مئی جون اور جولائی میں سخت گرمی پڑتی ہے۔آندھیاں چلتی ہیں۔درختوں کے پتے سوکھ کر جھڑ جاتے ہیں۔بعض مقامات پر درجہ حرارت 50 درجے سینٹی گریڈ تک جا پہنچتا ہے۔البتہ موسم سرما مختصر ہوتا ہے اور اتنا نا قابل برداشت نہیں ہوتا ہے۔مختصر وقفوں کے لیے سخت سردی پڑتی ہے لیکن چونکہ آسمان صاف رہتا ہے اس لیے موسم بہت جلد خوشگوار ہو جاتا ہے۔

سطح مرتفع بلوچستان:۔

سطح مرتفع بلوچستان کے اکثر علاقوں میں موسم سرما بہت شدید ہوتا ہے۔بعض اوقات شمالی ہوائیں چلنے سے درجہ حرارت نقطہ انجماد سے بھی نیچے گر جاتا ہے۔سردی اور گرمی دونوں موسم سخت ہوتے ہیں، موسم گرما میں چٹیل پہاڑ تپ جاتے ہیں جن کی وجہ سے سخت گرمی پڑتی ہے۔دنیا کے گرم ترین مقامات سبی اور جیکب آباد اسی علاقے میں واقع ہیں۔

دریائے سندھ کا زیریں میدان اور ساحلی علاقہ:۔

دریائے سندھ کے زیریں میدان میں ساحلی علاقہ بھی شامل ہے۔اس علاقے میں نسیم بحری کے باعث آب وہوا سارا سال معتدل رہتی ہے۔نسیم بحری کا اثر سمندر سے 80 کلو میٹر تک محسوس کیا جاتا ہے۔اس علاقے میں نہ سخت سردی پڑتی ہے اور نہ سخت گرمی۔درجہ حرارت میں اتار چڑھاؤ معمولی ہوتا ہے۔مثلاً کراچی کا درجہ حرارت جنوری سے مئی تک تقریباً 18 درجے سینٹی گریڈ سے 28 درجے سینٹی گریڈ تک رہتا ہے۔سال کے باقی سات مہینوں میں درجہ حرارت میں 7 درجے سینٹی گریڈ سے زیادہ کی کمی بیشی نہیں ہوتی۔سندھ کے باقی علاقے کا موسم پنجاب سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔

غیر متوازن اقتصادی ترقی اور علاقائی عدم توازن:۔

پاکستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں وسیع تفاوت پایا جاتا ہے۔اس تفاوت کے بہت سے پہلو ہیں یہ تفاوت طبعی بھی ہے اور انسانوں کا پیدا کردہ بھی۔ آئندہ سطور میں ہم مختلف پہلوؤں سے پاکستان کے مختلف علاقوں میں پائے جانے والے عدم توازن اور تفاوت کا جائزہ لیں گے۔

پنجاب کی آبادی 7 کروڑ 36 لاکھ، سندھ کی آبادی 3 کروڑ 4 لاکھ، خیبر پختونخواہ صوبے کی ایک کروڑ 77 لاکھ اور بلوچستان کی صرف 65 لاکھ ہے۔اس سے یہ ظاہر ہوا کہ پاکستان کے سب سے بڑے صوبے یعنی پنجاب کی آبادی سب سے چھوٹے صوبے یعنی بلوچستان کے گیارہ گناہ سے بھی زائد ہے لیکن رقبے کی صورت حال اس سے بالکل مختلف ہے۔ صوبہ بلوچستان رقبے کے لحاظ سے ملک کا سب سے بڑا صوبہ ہے اور پاکستان کے تقریباً 44 فیصد رقبے پر محیط ہے اس کے مقابلے میں پنجاب کا رقبہ صرف 26 فیصد ہے۔ ملک میں 2 لاکھ آبادی کے 23 شہروں میں سے صرف ایک بلوچستان کے حصے میں آتا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے پانچ بڑے شہروں میں سے صرف ایک (کراچی) صوبہ سندھ میں واقع ہے باقی چار شہروں کا تعلق صوبہ پنجاب سے ہے (بالترتیب لاہور، فیصل آباد، راولپنڈی، ملتان)

زندگی اور کاروبار کی بہتر سہولتیں میسر ہونے کی وجہ سے لوگ تیزی سے بڑے شہروں کا رخ کر رہے ہیں۔اس رجحان کا نتیجہ یہ ہے کہ بڑے شہر بے ہنگم طریقے سے پھیلتے جا رہے ہیں۔ تمام سرمایہ کاری بڑے شہروں میں ہو رہی ہے، صحت اور تعلیم کی سہولتیں بھی بڑے شہروں میں مرتکز ہو رہی ہیں۔ زندگی کی بنیادی سہولتیں دیہات میں فراہم کرنے کی طرف توجہ بہت کم دی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دیہات میں محرومی کا احساس بڑھ رہا ہے۔

ایک ماہر اقتصادیات حامد شاہد کے الفاظ میں:

> ''اس صورت حال میں دولت و ثروت کے چند ایسے جزیرے وجود میں آجائیں گے جن کے گرد غربت اور افلاس کا ایک بے کراں سمندر پھیلا ہوا ہوگا۔''

روایتی ماہرین اقتصادیات کا خیال تھا کہ اقتصادی ترقی اور علاقائی عدم مساوات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ بعض ماہرین کہتے ہیں کہ یہ ایک عارضی مسئلہ ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو خود حل کر لیتا ہے۔ لیکن جدید ماہرین اقتصادیات کہتے ہیں کہ اقتصادی تفاوت جب ایک مرتبہ پیدا ہو جاتا ہے تو کم ہونے کی بجائے ہمیشہ شدت اختیار کرتا ہے۔اس کی عملی مثال یہ ہے کہ 1959ء میں مشرقی پاکستان کی فی کس آمدنی مغربی پاکستان کے مقابلے میں 32 فی صد کم تھی یہ فرق اگلے دس سال میں 61% ہو گیا۔ یہی عدم توازن ملک کے دولخت ہونے کا سبب بنا۔اب بھی اس رجحان کو روکنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں جو آخری اعداد و شمار دستیاب ہیں ان کے مطابق سندھ میں فی کس سالانہ آمدنی کی شرح باقی تمام صوبوں سے زیادہ ہے۔ یہ شرح کے پی کے سے تین گنا، پنجاب سے ڈیڑھ گنا اور بلوچستان کے مقابلے میں دوگنا سے بھی زائد ہے۔ پنجاب کی فی کس سالانہ آمدنی کے پی کے سے دوگنا ہے۔ پھر صوبوں کے اپنے اندر بھی عدم توازن موجود ہے۔ مثلاً وسطی پنجاب جنوبی پنجاب کے مقابلے میں زیادہ آباد اور خوش حال ہے۔ یہی حال دوسرے صوبوں میں ہے۔

صنعتی ترقی کے اعتبار سے بھی ملک کے مختلف علاقوں میں وسیع عدم توازن پایا جاتا ہے۔ سندھ کی تمام تر صنعت کراچی اور حیدرآباد تک محدود ہے۔ پنجاب کی صنعتیں فیصل آباد، گوجرانولہ، سیالکوٹ، شیخوپورہ اور لاہور میں مرتکز ہیں۔ پنجاب کے باقی اضلاع صنعتی ترقی سے تقریباً محروم ہیں۔ بلوچستان اور کے پی کے میں صنعتی ترقی نہ ہونے کے برابر رہی۔ اگرچہ حکومت نے بلوچستان میں ''حب'' اور صوبہ کے پی کے میں ''گدون امازئی'' کے علاقے کو ٹیکس فری زون قرار دیا اور صنعتیں قائم کرنے کے لیے ترغیبات فراہم کیں اس طرح ان صوبوں میں کچھ صنعتیں قائم ہوئیں تاہم انہیں پنجاب اور سندھ کی سطح پر لانے کے لیے ایک لمبا سفر درکار ہے۔

اقتصادی ترقی کا ان بنیادی سہولتوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔ جن کو عام طور پر ''انفراسٹرکچر'' کا نام دیا جاتا ہے۔اس میں مندرجہ ذیل سہولتیں شامل ہیں۔

ریلوے، سڑکیں، ٹیلیفون، ٹیلی ویژن، اخبارات اور ڈاک کا نظام وغیرہ۔ ملک کے جن صوبوں میں اور صوبوں کے جن شہروں میں یہ سہولتیں موجود تھیں انہی میں ترقی کی رفتار تیز رہی اور فی کس آمدنی تیزی سے بڑھی۔ تعلیم یافتہ اور فنی مہارت رکھنے والے لوگوں نے لاہور، کراچی، کوئٹہ، پشاور اور دوسرے بڑے شہروں کا رُخ کیا۔ جہاں بینک، کالج، ہسپتال، تعلیمی ادارے اور ملازمت کے مواقع بکثرت دستیاب تھے۔

پس ماندہ علاقوں کو پس ماندہ رکھنے میں جاگیر داری نظام نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ جن علاقوں میں زمین چھوٹے زمینداروں کے پاس تھی انہی علاقوں میں زراعت نے ترقی کی مثلاً پنجاب میں لاہور، ساہیوال، سیالکوٹ، اوکاڑہ، شیخوپورہ، گوجرانولہ، فیصل آباد وغیرہ۔ عام طور پر صنعتیں بھی انہی اضلاع میں قائم ہوئیں۔ بڑے جاگیر داروں کا مسئلہ وسیع علاقوں پر پھیلی ہوئی اپنی رعایا پر اپنی حکومت کو برقرار رکھنا تھا لہٰذا وہ سمجھتے تھے کہ اگر لوگ تعلیم یافتہ یا خوش حال ہوتے گئے تو وہ ان کو جانوروں کی طرح نہیں ہانک سکیں گے جس کے وہ صدیوں سے عادی رہے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے تعلیم اور خوشحالی کی طرف جانے والے ہر راستے کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی۔

ترقی کا راستہ روکنے والی دوسری بڑی طاقت بیوروکریسی یعنی افسر شاہی تھی۔ اعلیٰ افسران نے پسندیدہ علاقوں کو شہری سہولتیں مہیا کیں۔ پاکستان جیسے اقتصادی لحاظ سے کمزور ملک کو ہمیشہ بجٹ خسارے کا سامنا رہا۔ اس خسارے کو کنٹرول کرنے اور افراطِ زر پر قابو پانے کے لیے اخراجات پر کٹوتی عائد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ افسر شاہی نے اس طرح کی کٹوتیاں ہمیشہ بہت سے پس ماندہ علاقوں کے اخراجات پر ہی عائد کی ہیں۔ کراچی، لاہور اور اسلام آباد جیسے شہروں کے ترقیاتی اخراجات ہمیشہ جوں کے توں رہتے ہیں بلکہ ان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

یہ صورت حال قومی زندگی اور قوم کے وجود کے لیے ایک ٹائم بم کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس کی اصلاح کے لیے محض چند سطحی نوعیت کے اقدامات کافی نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے ایک بنیادی اور ہمہ گیر معاشرتی اور سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے۔ معاشرے کا استحصال کرنے والے طبقات کا زور توڑنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے کی اقتصادی بنیاد مضبوط ہو۔ اقتصادی ترقی صرف امن اور صلح جوئی کے ماحول میں ممکن ہے۔ اصول حدیبیہ کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں امن کو پہلی ترجیح کا درجہ دینا چاہیے۔

انسانی زندگی پر موسموں کے اثرات

کرّہ ارض کے مختلف حصوں کا موسم ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ موسم لوگوں کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو متاثر کرتا ہے۔ ہم اپنے ہی ملک میں موسم کے انسانی زندگی پر اثرات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں مثلاً شمالی اور شمال مغربی پہاڑی علاقوں میں لوگ گھروں کی چھتیں ڈھلوان بناتے ہیں تاکہ وہ کثرت سے ہونے والی بارشوں اور برف باری کے اثرات سے محفوظ رہ سکیں۔ کراچی، حیدرآباد اور صوبہ سندھ کے دوسرے علاقوں میں لوگ موسم گرما میں سمندر کی ٹھنڈی ہوا سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے اور گرمی کی شدت کو کم کرنے کے لیے گھروں کی چھتوں پر چمنی نما روشن دان اور ہوادان بناتے ہیں۔ سرد شمالی علاقوں میں لوگ بھاری لباس پہنتے ہیں اور بیرون خانہ کھیل عموماً نہیں کھیلے جاتے۔ موسم سرما میں لوگ شدید سردی سے بچنے کے لیے یا تو گھروں میں بند ہو جاتے ہیں۔ یا روزگار کی تلاش میں میدانی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔

صحرائی علاقوں میں چلنے والی ہوا موسم گرما میں دن کے وقت شدید گرم ہوتی ہے۔ پاکستان میں اس ہوا کو ''لوُ'' کہتے ہیں۔اس کے ناگوار اثر کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکستان کے صحرائی علاقے تھل اور تھر کی آبادی بہت زیادہ نہیں ہے۔

کوہ ہندوکش کے جنوب میں بہت سے ایسے دریا بہتے ہیں جن کی لائی ہوئی مٹی کے باعث زمین زرخیز ہو جاتی ہے۔ یہ دریا چترال، سوات اور دیر سے ہو گزرتے ہیں۔ان وادیوں کے دیہات میں لوگ باغات لگاتے ہیں اور منافع بخش کاشتکاری کرتے ہیں۔

دریائے سندھ اور اس کے معاون دریاؤں نے سرزمین پاکستان کو اس کی زرخیز ترین زمینوں کا تحفہ دیا ہے۔ان علاقوں کا موسم ہر قسم کی کاشتکاری کے لیے موزوں ہے۔یہی دریا ہمارے شاندار نظام آبپاشی کا مرکزی منبع ہیں اسی وجہ سے ملک کی آبادی کا بڑا حصہ دریائے سندھ کے میدانی علاقوں میں رہتا ہے۔

عالمی تناظر میں پاکستان کے محل وقوع کی جغرافیائی اور تزویراتی اہمیت

عالم اسلام میں مرکزی حیثیت:۔

اپنے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے پاکستان کو عالم اسلام میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ پاکستان مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلے ہوئے اسلامی برادری کے ملکوں کے تقریباً وسط میں واقع ہے۔ برادر اسلامی ممالک پاکستان کی اس امتیازی خصوصی حیثیت سے بخوبی واقف ہیں۔یہی وجہ ہے کہ لیبیا کے نائب صدر عبدالسلام جالود نے اپنے دورہ پاکستان (1978ء) کے دوران یہ کہا تھا کہ پاکستان کو عالم اسلام میں قلب جیسی حیثیت حاصل ہے۔

عالمی سیاست میں اہم مقام:۔

جس وقت پاکستان معرض وجود میں آیا دوسری جنگ عظیم کا خاتمہ ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔امریکہ اور روس دو بڑی طاقتوں کی حیثیت سے سامنے آکر پوری دنیا کے معاملات کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔اس دور کو سرد جنگ کا دور کہا جاتا ہے۔ پاکستان کی اس وقت کی حکومتوں نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان سویت یونین کے خلاف امریکی اتحادیوں کی فرنٹ لائن ریاست بن گیا۔اور امریکہ کے زیر سرپرستی چلنے والے دفاعی معاہدوں سیٹو (Seato) اور سینٹو (Cento) کا ممبر بن گیا۔امریکہ سے غیر مشروط وفاداری کی یہ پالیسی صحیح تھی یا غلط اس بحث میں پڑے بغیر یہ بات بہر حال واضح ہے کہ پاکستان کو اپنے ابتدائی دنوں میں ہی یہ عالمی اہمیت اپنے جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

تیسری دُنیا کی قیادت:۔

امریکی بلاک سے وفادارانہ وابستگی کی وجہ سے پاکستان کافی عرصے تک تیسری دنیا اور غیر جانبدار ممالک میں عزت کا وہ مقام حاصل نہیں کر سکا۔ جس کا یہ مستحق تھا تاہم جب سے پاکستان نے غیر جانبداری کی پالیسی پر عمل کرنا شروع کیا پاکستان کو تیسری دنیا میں احترام کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے۔ 1979ء میں اس وقت کے صدر پاکستان کو ہوانا میں ہونے والی غیر جانبدار کانفرس میں اور پھر 1980ء میں اقوام متحدہ میں عالم اسلام کی نمائندگی کے لیے منتخب کیا گیا۔ یہ پاکستان کے لیے بہت بڑا اعزاز تھا۔

توسیع پسندی کے راستے میں رکاوٹ:۔

پاکستان نے اپنے محدود وسائل کے باوجود افغانستان میں روسی توسیع پسندی کے خلاف نہایت مضبوط موقف اختیار کیا۔ افغانستان پر روسی قبضے کے بعد پوری دنیا کو اس امر کا احساس ہو گیا تھا کہ پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو روس کا راستہ روک سکتا ہے۔ پاکستان کی شاندار مزاحمت سوویت یونین کی سپر پاور کی تباہی کا باعث بن گئی۔

جغرافیائی اہمیت:۔

پاکستان جغرافیائی لحاظ سے دنیا کے نہایت اہم اور مرکزی خطے میں آباد ہے۔ پاکستان سے ریل اور سڑک کے راستے میں مشرق بعید کے ممالک سے ایران، ترکی اور یورپی ممالک تک کا سفر کیا جا سکتا ہے۔ کراچی کے ہوائی اور بحری اڈے یورپ اور ایشیا کے درمیانی فضائی اور سمندری رابطے کا نہایت اہم ذریعہ ہیں، پاکستان کے پاس گرم پانی کی ایسی بندرگاہیں موجود ہیں جن میں سارا سال جہازرانی ممکن ہے۔

افغانستان اور وسطی ایشیا کی خشکی میں گھری ہوئی ریاستوں کے لیے راہداری:۔

جب پاکستان قائم ہوا تو پاکستان کے شمال میں سویت یونین کی عظیم عالمی طاقت اپنے عروج کے دور سے گزر رہی تھی۔ سویت یونین رقبے کے اعتبار سے دُنیا کی سب سے بڑی ریاست تھی۔ اگرچہ پاکستان کی کوئی سرحد سویت یونین سے متصل نہیں ہے لیکن پاکستان کو سویت یونین کی ریاست سے تاجیکستان سے جدا کرنے والی افغانستان کے علاقے واخان کی پٹی اتنی تنگ ہے کہ سویت یونین کو آسانی سے پاکستان کا ہمسایہ کہا جا سکتا ہے۔ اپنے تنگ ترین مقام پر اس پٹی کی چوڑائی 20 کلومیٹر ہے۔ 1989ء میں افغانوں کی مسلح جدوجہد کے نتیجے میں روس افغانستان سے نکل گیا بعد ازاں 1991ء میں بعض داخلی عوامل کی وجہ سے سویت یونین اتحاد پارہ پارہ ہو گیا اور اس میں شامل ریاستیں آزاد ہو گئیں۔ ان میں سب سے اہم ریاست روس ہے۔ بہت سی مسلم ریاستیں بھی سویت یونین میں شامل تھیں جو اب آزاد ہو چکی ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ تاجیکستان، ازبکستان، ترکمانستان، قازقستان اور کرغیزستان۔ ان سب ریاستوں کو بحیثیت مجموعی وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں کہا جاتا ہے۔ افغان عوام اور وسطی ایشیا کی مسلم ریاستوں کے ساتھ پاکستان کے دوستانہ تعلقات قائم ہیں اور ان تعلقات کی سب سے بڑی وجہ اسلامی اخوت کا وہ رشتہ ہے جو ان کے درمیان سب سے بڑی اور مشترک قدر ہے۔ افغانستان اور وسطی ایشیا کی اکثر ریاستیں خشکی میں گھری ہوئی ہیں۔ یعنی ان کے علاقے کے ساتھ سمندر کا اتصال نہیں ہے۔ سابقہ سویت یونین کے جو علاقے سمندر کے کنارے واقع ہیں ان کا المیہ یہ ہے کہ ان میں شدید سردی پڑتی ہے جس کی وجہ سے سمندر کا پانی سارا سال منجمد رہتا ہے۔ لہٰذا اس میں جہازرانی ممکن نہیں ہوتی یا ہوتی ہے تو سال میں صرف چند ماہ۔ سمندری ٹرانسپورٹ چونکہ سامان کی آمدورفت کا سب سے سستا طریقہ ہے۔ لہٰذا آج کی دنیا میں کوئی ملک سمندری تجارت کے بغیر اپنی معیشت کا توازن قائم نہیں رکھ سکتا۔ پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے گرم پانی کے ایسے سمندروں سے نوازا ہے جن میں سارا سال جہازرانی ممکن ہے۔ پاکستان کے پاس دو اعلیٰ درجے کی بندرگاہیں کراچی اور پورٹ قاسم موجود ہیں نیز دوسری بندرگاہوں، کیٹی بندر اور گوادر کی تعمیر کا منصوبہ بھی مکمل ہو چکا ہے۔

پاکستان ابتداء ہی سے افغانستان اور سویت یونین کو راہداری کی سہولتیں فراہم کرتا رہا ہے۔ یعنی ان ممالک کو جانے والا سامان بحری جہازوں کے ذریعے پاکستان کی بندرگاہوں پر اترتا ہے اور زمینی ٹرانسپورٹ کے ذریعے افغانستان اور وسطی ایشیا کی ریاستوں نیز روس وغیرہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ اس سہولت کو مزید بہتر بنانے کے لیے گذشتہ صدی کے آخری عشرے میں موٹرویز کا ایک منصوبہ شروع کیا گیا تھا جس کے آٹھ میں سے چھ سیکشن مکمل ہو چکے ہیں۔

سیّاحوں کی دلچسپی کے مقامات

سیاحت کے تین بڑے مقاصد ہوتے ہیں۔

1۔ تحقیق

2۔ معلومات میں اضافہ اور حصول علم

3۔ تفریح

پاکستان میں سیّاحوں کی ان تینوں ضروریات کی تسکین کے وافر مواقع موجود ہیں۔ پاکستان میں سیاحوں کی دلچسپی کے مقامات کو بھی ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1۔ آثارِ قدیمہ

2۔ تاریخی عمارات

3۔ صحت افزاءاور قابل دید مقامات

جہاں ایک طرف ہمارے آثار قدیمہ اور ہماری تاریخی، عمارات طالبان علم اور صاحبان تحقیق کے لیے دنیا بھر میں ایک اعلیٰ اور منفرد حیثیت کی حامل ہیں وہیں دوسری طرف ہمارے صحت افزاءاور قابل دید مقامات کا شمار بھی دنیا کے حسین ترین تفریحی مقامات میں ہوتا ہے۔ آثارِ قدیمہ اور تاریخی عمارات کا جائزہ ہم باب 6 میں لیں گے۔ یہاں ہم صرف صحت افزاءاور قابل دید مقامات کا مختصر سا تذکرہ کریں گے۔

پاکستان کے شمالی پہاڑ سطح سمندر سے اپنی بلندی کے باعث سردی کے موسم میں برف کی چادر اوڑھ لیتے ہیں۔ شدید سردی کے باعث نومبر سے فروری تک ان علاقوں میں زندگی کا ہنگامہ سرد پڑ جاتا ہے۔ بعض علاقوں سے لوگ ہزاروں کی تعداد میں اپنے مویشیوں کو لے کر میدانی علاقوں کا رخ کرتے ہیں۔ لیکن موسم بہار کے آتے ہی زندگی کی رونقیں واپس لوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ نہ صرف ان علاقوں کے باسی اپنے گھروں کو واپس لوٹ آتے ہیں بلکہ جوں جوں گرمی میں اضافہ ہوتا ہے اندرون ملک اور بیرون ملک سے لاکھوں سیّاح ان علاقوں کے بے مثال قدرتی حسن اور سحر انگیز موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے ان کی طرف کھنچے چلے آتے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخواہ اور پنجاب میں واقع اکثر پہاڑی مقامات سطح سمندر سے 6 ہزار سے 8 ہزار فٹ تک بلند ہیں اس لیے موسم گرما میں ان کی آب و ہوا بہت خوشگوار ہوتی ہے۔

صوبہ پنجاب کے تفریحی مقامات مری اور پتریاٹہ کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ مری سے ساٹھ ستر کلو میٹر کے اندر اندر مزید بلندی کی طرف بڑھتے ہوئے صوبہ خیبر پختونخواہ کی حدود میں واقع پہاڑی اسٹیشن ایوبیہ، خانس پور اور نتھیا گلی واقع ہے۔ صوبہ خیبر پختونخواہ میں واقع وادیِ کاغان اور وادی سوات کا شمار دنیا کی حسین ترین وادیوں میں ہوتا ہے۔ وادیِ کاغان کی انتہائی بلندی پر واقع جھیل سیف الملوک تک پہنچنا دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے ایک حسین خواب کا درجہ رکھتا

ہے۔ شو گران اور سری پایہ بھی اسی کے گردونواح میں واقع ہے۔ سیدو شریف، مرغزار، بحرین اور کالام وادی سوات میں سیاحوں کی دلچسپی کے اہم ترین مراکز ہیں۔ مالم جبہ اور میاں دم نسبتاً نئے سیاحتی مراکز کی حیثیت سے تیزی سے اپنا مقام بنا رہے ہیں۔

جو سیاح تاریخ سے تھوڑی سی واقفیت رکھتا ہو گا وہ پاکستان کے تاریخی راستوں سے گزرتے ہوئے یہ محسوس کرے گا کہ وقت اسے ماضی کی دھند میں لپٹے ہوئے اجنبی زمانوں میں لے گیا ہے۔ افغانستان سے طورخم کے راستے پاکستان میں داخل ہو کر لہراتی بل کھاتی خشک پہاڑی گزرگاہوں سے گزر کر درہ خیبر کے راستے پشاور میں داخل ہونے والی شاہراہ فاتحین اور تجارتی قافلوں کا قدیم ترین راستہ ہے۔ آریہ، سیتھین، یارتھین، یونانی بیکٹرین، کشان، ہن، ترک، منگول اور پھر مغل انہی راستوں سے چل کر جنوبی ایشیا کی سرزمین پر آئے۔

کے پی کے کا صدر مقام پشاور ایک قدیم شہر ہے جو قلعہ بالا حصار، تانبے کے منقش برتنوں، کڑھائی اور شیشیوں سے مزین واسکٹوں، چپل اور چپلی کباب کی اشتہاء انگیز خوشبو سے بھرے بازاروں کے لیے مشہور ہے، ان بازاروں میں قصہ خوانی بازار کو ایک افسانوی حیثیت حاصل ہے۔

یونانی فاتح سکندر اعظم نے اس مقام سے ذرا نیچے کی طرف ایک مقام پر دریائے سندھ کو عبور کیا تھا جہاں اب اٹک کا پل ہے۔ پشاور سے پاکستان کے جدید دارالحکومت اسلام آباد کی طرف بڑھتے ہوئے اسلام آباد سے سولہ کلو میٹر پہلے ٹیکسلا کے کھنڈرات ہیں جو بدھ مت کے عظیم حکمران اشوک کے شاندار دورِ حکومت کے یادگاروں کو محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔

کے پی کے صوبے کا صدر مقام پشاور اپنی قدامت اور تاریخی روایات کے باعث محققین کے لیے دلچسپی کا باعث ہے۔ پنجاب میں یہی حیثیت لاہور، ملتان، بہاولپور اور قصور جیسے شہروں اور بھیرہ (ضلع سرگودھا) جیسے تاریخی قصبات کو حاصل ہے۔

ضلع خوشاب میں وادی سون کا شہر سکیسر ایک صحت افزاء مقام کی حیثیت رکھتا ہے اور موٹروے کی تعمیر کے بعد موروں کی وادی کلر کہار میں بھی سیاحوں کی دلچسپی میں اضافہ ہو رہا ہے۔

چونکہ صوبہ سندھ کے ساحلی علاقے کی آب و ہوا سردی اور گرمی دونوں موسموں میں معتدل رہتی ہے۔ اس لیے کراچی میں سیاحت کی غرض سے آنے والے زیادہ تر موسم سرما کا انتخاب کرتے ہیں۔ کلفٹن اور ہاکس نہایت ترقی یافتہ اور خوش منظر ساحلی تفریح گاہیں ہیں۔ ساحل کے قریب ہی منوڑہ کا خوبصورت جزیرہ مرکز نگاہ ہے۔ اندرونِ سندھ منچھر اور ہالیجی جھلیں بہت پر فضا مقامات ہیں۔

صوبہ بلوچستان کا سب سے اہم صحت افزاء مقام زیارت ہے۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں بانی پاکستان قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے، کوئٹہ کے قریب حنہ جھیل اور بہت سے دیگر چھوٹے چھوٹے تفریحی مقامات ہیں۔

شمال میں قراقرم کے سلسلہ کوہ میں کے ٹو واقع ہے جو دنیا کی بلند ترین چوٹی ہے لیکن کوہ پیماؤں کے لیے اس کو سر کرنا ایورسٹ سے بھی زیادہ مشکل اور حوصلہ طلب ہے۔

چترال کی سر زمین میں تین وادیاں ہیں، بمبوریت، رمبور اور بیریر،ان وادیوں کے مکین کالاش اور کافر کہلاتے ہیں۔ وادی ہنزہ اپنے حسین مناظر کے ساتھ خوبصورت اور صحت مند لوگوں کی وجہ سے بھی سیاحوں کے لیے ایک خواب کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہنزہ میں اوسط انسانی عمر دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔اس علاقے میں تعمیر کی گئی شاہراہ قراقرم جو قدیم زمانے میں ریشم کی تجارت کرنے والے سیاحوں کے قافلوں کی وجہ سے شاہراہ ریشم کہلاتی تھی، پاکستان کو عوامی جمہوریہ چین سے ملاتی ہے اور دنیا کی بلند ترین شاہراہ ہے۔

لاہور دیارِ مشرق کا قلب ہے اس شہر کے تہذیبی اور روحانی کمالات کی کوئی حد نہیں۔ عظیم صوفی بزرگ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃاللہ علیہ نے لاہور کو ''شہروں کا قطب'' کہا تھا۔ لاہور میں مغل عہد کی یادگاریں بادشاہی مسجد، شاہی قلعہ، شالامار باغ، جہانگیر اور نور جہان مقبرے پر ہیں۔ برطانوی عہد کی یادگار لاہور کی خوبصورت مرکزی سڑک دی مال ہے جسے اب شاہراہ قائدِاعظم کا نام دیا گیا ہے۔اس شاہراہ پر گرجوں کی پر شکوہ خوبصوت عمارات، گورنمنٹ کالج اور پنجاب یونیورسٹی کی قدیم عمارات ہیں، شاہراہ قائدِاعظم پر ہی لاہور کے تاریخی عجائب گھر کی عمارت ہے اور اس کے سامنے زمزمہ توپ نصب ہے جس کو مشہور انگریزی ادیب کپلنگ نے ایک افسانوی حیثیت دے دی ہے۔

سر سبز پنجاب اور ہڑپہ پھر صحرائی پنجاب اور مدینہ الاولیاء ملتان، کھجوروں میں گھرے ہوئے بہاولپور اور شاہراہ پاکستان سے کسی قدر فاصلے پر واقع موہن جوداڑو سے گزرتے ہوئے جب ہم جنوب کی ساحلی شہر کراچی پہنچتے ہیں تو پاکستان کی ثقافت کا ایک نیا رخ سامنے آتا ہے۔ کراچی بین الاقوامی ثقافت کا شہر ہے۔ سیاح کراچی کے ساحلوں پر اونٹوں کی سواری کا لطف اٹھاتے ہیں اور بے کراں سمندر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کراچی سے صوبہ سندھ کے دوسرے تہذیبی مراکز ٹھٹھہ اور بھنبھور بھی زیادہ دور نہیں ہیں۔مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع پاکستان کا جدید ترین دارالحکومت اسلام آباد اب اپنی فیصل مسجد، درسگاہوں، حکومت کے ایوانوں اور خوبصورت تفریحی مراکز کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔

پاکستان کی سرزمین قدرتی حسن کی دولت سے مالا مال ہے۔ لیکن وسائل کی کمی کے باعث ابھی تک پاکستان کے سیاحتی مقامات کو عالمی معیار کے مطابق ترقی نہیں دی جاسکی۔ سیاحتی اور تفریحی مقامات پر عالمی معیار کی سہولتیں مہیا کر کے ہم نہ صرف قیمتی زرمبادلہ کما سکتے ہیں بلکہ عالمی برادری میں پاکستان کو ایک شاندار تہذیبی سرمائے کے حامل خوبصورت اور امن پسند ملک کی حیثیت سے پیش کر سکتے ہیں۔

نقشہ بینی

نقشہ زمین کے کسی حصے کی ایسی تصویر کو کہتے ہیں جو اس کی بعض مخصوص خصوصیات کو ظاہر کرنے کے لیے بنائی گئی ہو۔ نقشہ خشکی اور سمندر دونوں کو ظاہر کرنے کے لیے بنایا جاسکتا ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ نقشہ فوٹو گراف نہیں ہوتا بلکہ خاکہ ہوتا ہے جو لائنوں اور علامات کے ذریعے اپنا مدّعا ظاہر کرتا ہے۔ نقشوں کی تین اہم اقسام ہیں:

1۔ سیاسی اور انتظامی نقشے براعظموں، ملکوں، اضلاع اور شہروں کی حدود کو ظاہر کرتے ہیں۔

2۔ طبعی نقشے جو پہاڑوں، دریاؤں، صحراؤں، وادیوں اور میدانوں وغیرہ کو ظاہر کرتے ہیں۔

3۔ **سطح نما نقشے:** ریلیف میپ یا سطحی نما نقشوں میں مختلف رنگوں سے سطح زمین (پہاڑوں اور میدانوں وغیرہ) کی سطح سمندر سے بلندی کو ظاہر کیا جاتا ہے۔

جب آپ ایک نقشے کو سامنے رکھیں گے تو عموماً اس کی اوپر والی سمت میں شمال نیچے کی جانب جنوب آپ کے بائیں ہاتھ مغرب اور دائیں ہاتھ مشرق ہو گا۔

خطوط طول بلد اور عرض بلد:۔

کرّہ ارض کے مدور (گول) ماڈل کو گلوب کہتے ہیں۔ دنیا چونکہ گول ہے اس لیے اس کا کوئی بھی نقشہ جو ہموار کاغذ پر بنایا جائے گا اس کی صحیح صورت حال کو واضح نہیں کرے گا۔ کرہ ارض بہت بڑا وسیع ہے اس لیے اس پر کسی مقام کی نشان دہی بہت مشکل کام ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے جغرافیہ دانوں نے کرہ ارض پر کچھ فرضی خطوط قائم کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ خطوط اوپر سے نیچے یعنی شمال سے جنوب کی طرف اس طرح آتے ہیں جیسے خربوزے پر پڑی ہوئی لکیریں، دیکھیے، شکل نمبر 1، ان کو خطوطِ طول بلند کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایک مکمل دائرے میں 360 درجے ہوتے ہیں اس لیے خطوط طول بلد کی تعداد بھی 360 مقرر کی گئی ہے۔ ان میں سے کسی خط کا درجہ صفر فرض کرنا ضروری تھا تاکہ دوسرے خطوط کو اس کی نسبت سے درجے دیئے جا سکیں۔ 1884ء میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس خط کو Prime Meridian کا نام دیا جائے اور یہ فرض کیا جائے کہ یہ خط برطانیہ کے شہر گرینچ (Greenwich) سے گزرتا ہے۔ اس خط کے مغرب میں واقع خطوط کو W سے اور مشرق میں واقع خطوط کو E سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ گرینچ سے عین 180 درجے مخالف سمت میں قائم کئے گئے فرضی خط کو IDL یا International Date Line کہا جاتا ہے۔ یہ نہ مشرق ہے نہ مغرب۔ جب ہم مغرب سے آکر IDL کو عبور کرتے ہیں تو تاریخ ایک دن آگے بڑھ جاتی ہے۔ جب ہم مشرق سے مغرب کی طرف IDL کو عبور کرتے ہیں تو تاریخ ایک دن پیچھے چلی جاتی ہے۔

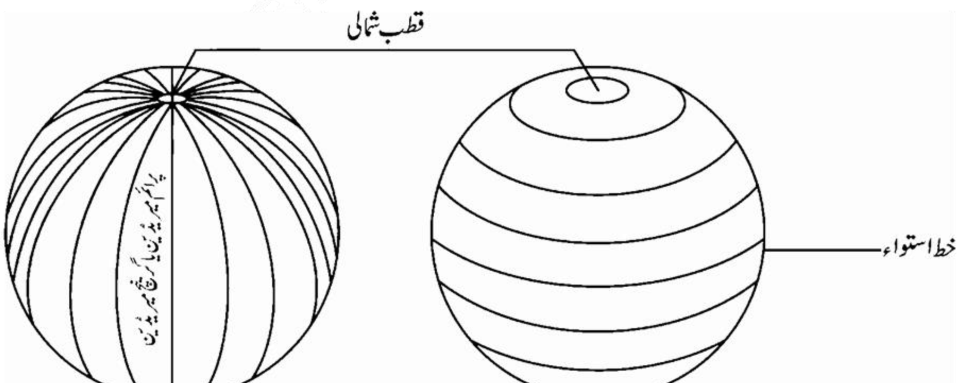

خطوطِ طول بلد کے مخالف سمت میں کرہ ارض کے عین وسط میں ایک خط فرض کیا گیا ہے جس کو خط استواء Equator کہتے ہیں۔ خط استواء سے زمین کے بالائی نقطے تک کے علاقے کو شمالی نصف کرہ اور خط استواء سے زمین کے زیریں نقطے تک کے علاقے کو جنوبی نصف کرّہ کہا جاتا ہے۔ ہر نصف کرّے

میں نوے نوے خطوط فرض کئے گئے ہیں جنوبی خطوط کو S سے اور شمالی خطوط کو N سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ قطب شمالی 90^{on} درجہ ہے اور قطب جنوبی کا 90^{os}۔

ان فرضی خطوط سے بننے والے خانوں کو جال یا Grids کہا جاتا ہے جب ہم کرہ ارض پر کسی مقام کا تعین کرنا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ وہ مقام اتنے درجے طول بلد اور اتنے درجے عرض بلد کے درمیان واقع ہے مثلاً پاکستان کا محل وقوع بیان کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ پاکستان 24 سے 36 شمالی عرض بلد اور 61 اور 75 مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے۔

پاکستان کے ہمسایہ ممالک اور پاکستان کی صوبائی تقسیم

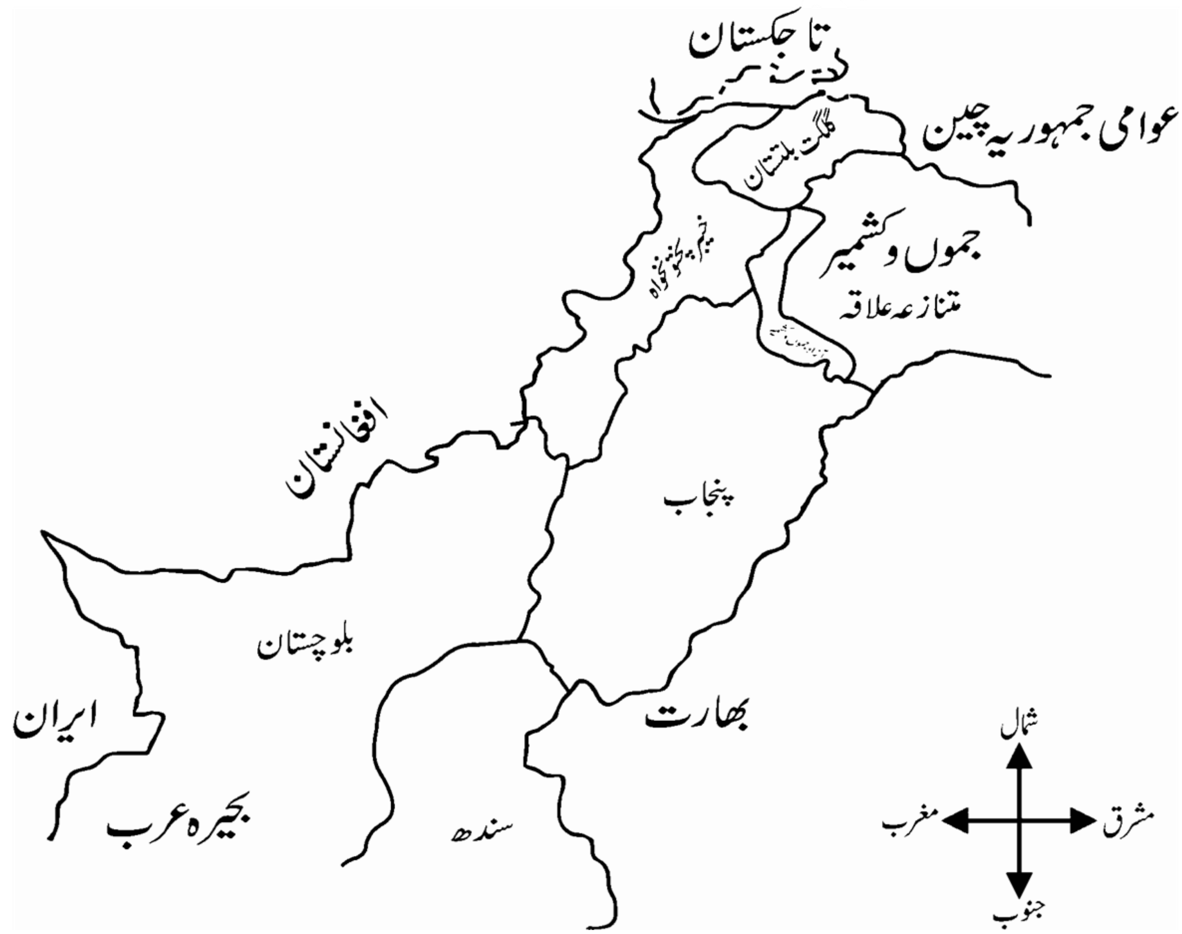

پاکستان کے دریا اور سندھ کا بالائی زیریں میدان
توانائی کے ذرائع

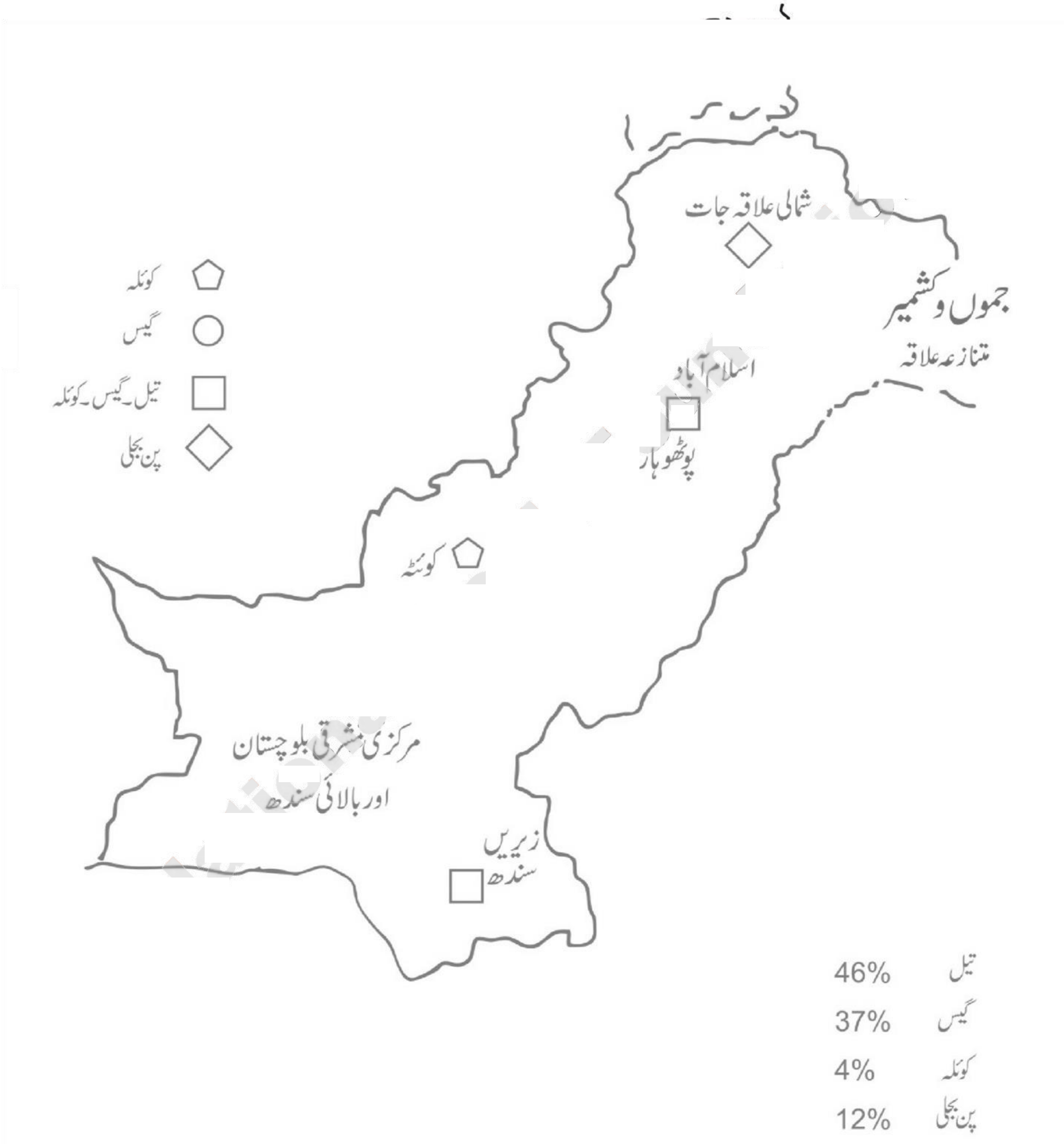

معدنیات

صحرائی علاقہ جات

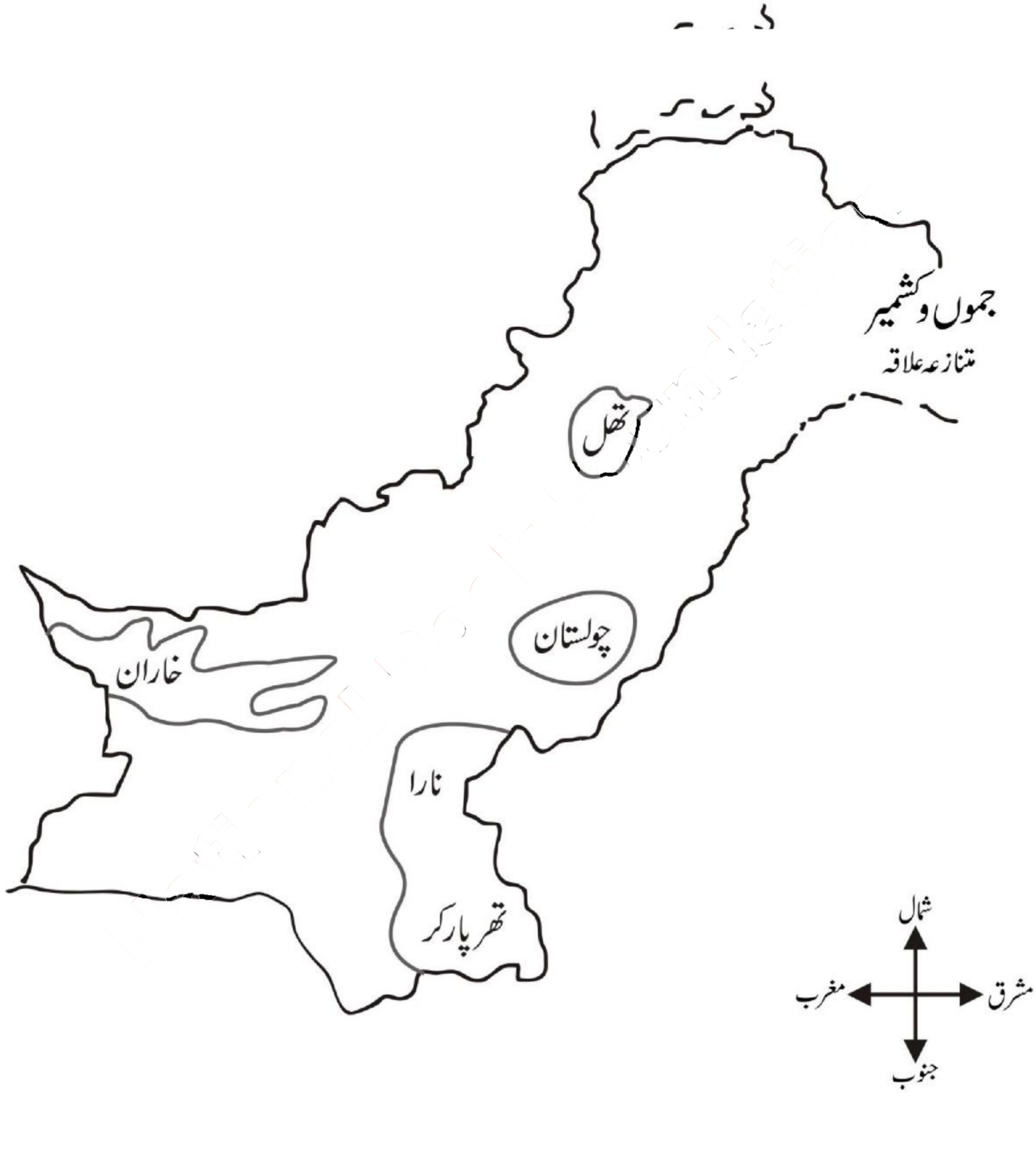

زرعی پیداوار

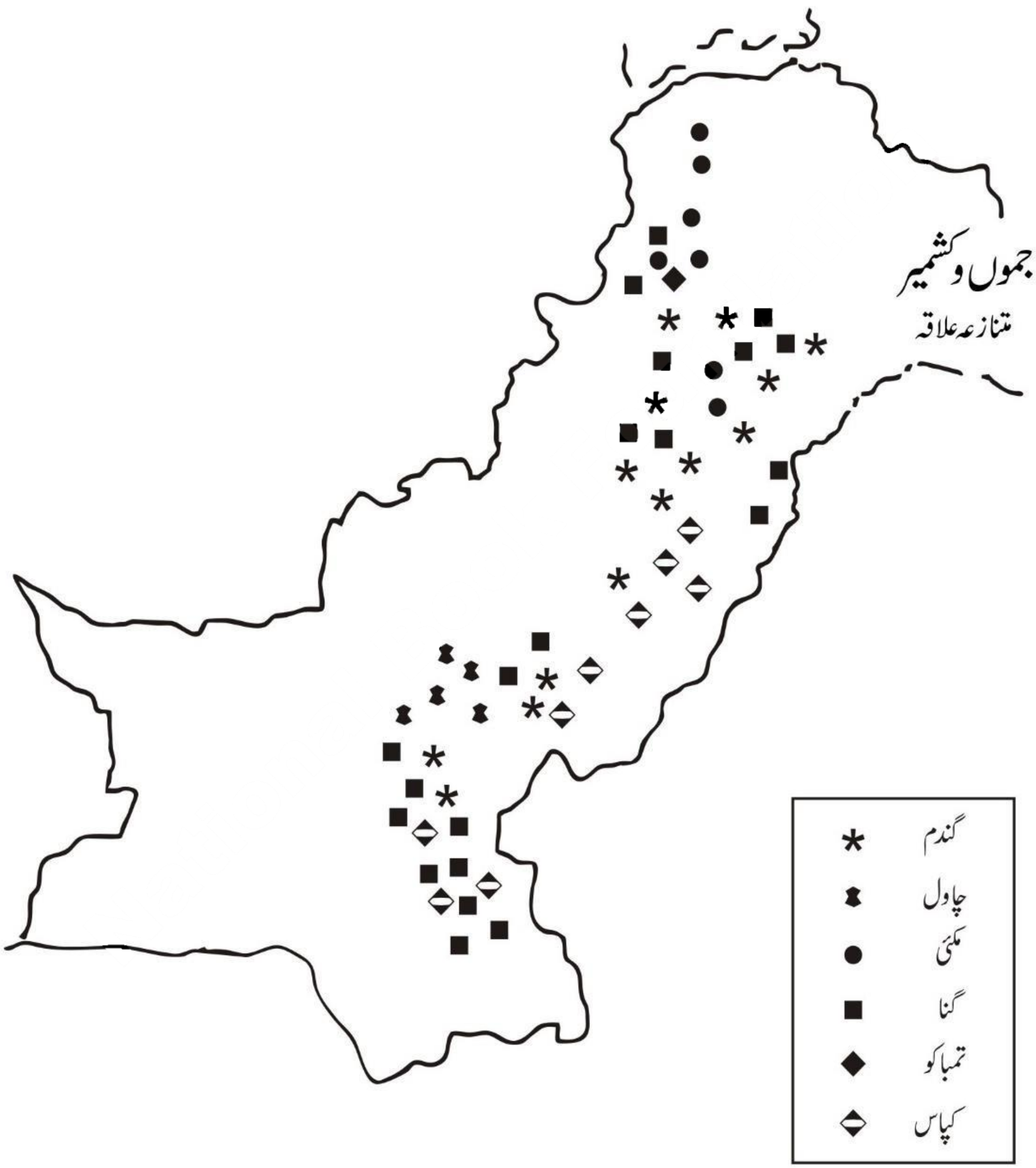

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ پاکستان کی __________ کلو میٹر لمبی سرحد ملتی ہے۔
2۔ تاجکستان کو پاکستان سے افغانستان کے علاقے __________ کی ایک تنگ سی پٹی جدا کرتی ہے۔
3۔ گلگت اور بلتستان کی سرحدیں ہمسایہ ملک __________ سے ملتی ہیں۔
4۔ سرد جنگ کے دور میں پاکستان نے عالمی طاقت __________ کا ساتھ دیا۔
5۔ بھیرہ کا تاریخی قصبہ ضلع __________ میں واقع ہے۔
6۔ ٹیکسلا کے کھنڈرات بدھ مت کے عظیم حکمران __________ کی یادگار ہیں۔
7۔ اسلام آباد __________ کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔
8۔ فرضی خط Prime Meridian برطانیہ کے شہر __________ سے گزرتا ہے۔
9۔ ایک مکمل دائرے میں __________ درجات ہوتے ہیں۔
10۔ کرہ ارض کے مدور ماڈل کو __________ کہتے ہیں۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ بھارت اور پاکستان کی مشترکہ سرحد کی لمبائی __________ کلو میٹر ہے۔ (2100,909,2612)
2۔ پاکستان کا تقریباً __________ فی صد علاقہ میدانی ہے۔ (60 فیصد، 40 فیصد، 90 فیصد)
3۔ پاکستان کے ساحلی علاقے میں بارش کی سالانہ اوسط __________ ملی میٹر ہے۔ (100، 275، 175)
4۔ صوبہ بلوچستان پاکستان کے __________ فیصد رقبے پر محیط ہے۔ (80 فیصد، 40 فیصد، 44 فیصد)
5۔ قلعہ بالا حصار صوبہ __________ میں واقع ہے۔ (خیبر پختونخواہ، سندھ، پنجاب)
6۔ مدینتہ اولیاء __________ کو کہا گیا ہے۔ (ملتان، اوکاڑہ، راولپنڈی)
7۔ بلوچستان کے صحت افزاء مقامات میں __________ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ (مری، سوات، زیارت)
8۔ __________ میں روس کی عالمی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ (2001، 1979، 1989)
9۔ پاکستان کی سرحدیں چین کے مسلم اکثریتی صوبہ __________ سے ملتی ہے۔ (اترپردیش، ہانگ کانگ، سنکیانگ)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ پاکستان کی سب سے لمبی سرحد بھارت سے ملتی ہے۔ ص غ
2۔ پاکستان میں صرف ایک سطح مرتفع ہے جس کا نام سطح مرتفع بلوچستان ہے۔ ص غ
3۔ دریائے سندھ کے زیریں میدان میں نسیم بحری کا اثر 80 کلو میٹر تک محسوس کیا جا سکتا ہے ص غ
4۔ سبی اور جیکب آباد کا شمار دنیا کے اعلیٰ ترین صحت افزاء مقامات میں ہوتا ہے۔ ص غ
5۔ پنجاب رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب بڑا صوبہ ہے۔ ص غ

-6	پنجاب میں فی کس سالانہ آمدنی کے پی کے سے دوگنا ہے۔	ص	غ
-7	IDL نہ مشرق نہ مغرب۔	ص	غ
-8	جب ہم IDL کو مشرق سے مغرب کی طرف عبور کرتے ہیں تو تاریخ ایک دن پیچھے چلی جاتی ہے۔	ص	غ
-9	کرہ زمین پر خربوزے کی لکیروں کی شکل میں قائم کئے گئے فرضی خطوط کو خطوط طول بلد کہا جاتا ہے۔	ص	غ
-10	سطح نما نقشے کو ریلیف میپ بھی کہا جاتا ہے۔	ص	غ

-4 کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
دفاعی معاہدہ	ہوا نا 1979ء
غیر جانبدار کانفرنس	CENTO
روس اور وسطی ایشیا	اقوام متحدہ 1980ء
واخان	20 کلومیٹر
صدر پاکستان	گرم پانی

-5 ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

-1 طول بلد اور عرض بلد کے اعتبار سے پاکستان کی وسعت نیز رقبہ تحریر کیجیے۔
-2 پاکستان کے حدودِ اربعہ تحریر کیجیے (یعنی بتایئے کہ پاکستان کے کس کس طرف کونسے ممالک واقع ہیں اور ان سے پاکستان کی مشترکہ سرحد کی لمبائی کتنی ہے)
-3 شمال مغربی اور مغربی سلسلے کے پہاڑوں کے نام لکھیے۔
-4 پاکستان کے موسموں پر نوٹ لکھیے۔
-5 بری آب و ہوا کے پہاڑی علاقوں پر نوٹ لکھیے۔
-6 پاکستان کے مختلف خطوں میں آبادی کا تفاوت بیان کیجیے۔
-7 صنعتی ترقی کے اعتبار سے پاکستان کے مختلف علاقوں میں پائے جانے والے عدم توازن پر نوٹ لکھیے۔
-8 عالم اسلام میں پاکستان کی مرکزی حیثیت مختصراً بیان کیجیے۔
-9 سیاحت کے تین بڑے مقاصد بیان کیجیے۔
-10 سیاحوں کی دلچسپی کے مقامات کو کن عنوانات کے تحت مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔
-11 کے پی کے اور پنجاب کے اہم تفریحی (پہاڑی) مقامات کا تذکرہ کیجیے۔
-12 سیاحت کے نقطہ نظر سے پشاور کیوں اہم ہے؟

-6 مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

-1 درجہ حرارت کے لحاظ سے ارض پاکستان کی تقسیم پر نوٹ لکھیے۔
-2 ''غیر متوازن اقتصادی ترقی اور علاقائی عدم توازن'' پر مضمون لکھیے۔
-3 انسانی زندگی پر موسموں کے اثرات بیان کیجیے۔
-4 عالمی تناظر میں پاکستان کے محل وقوع کی جغرافیائی اور تزویراتی اہمیت بیان کیجیے۔

اسلامی جمہوریہ کے قیام کی طرف پیش قدمی

4

پڑھیں

پس منظر:۔

قیام پاکستان کے بعد 1935ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کو معمولی ترمیمات کے ساتھ ملک کے عبوری دستور کی حیثیت سے نافذ کر دیا گیا۔ لیکن یہ انتظام محض عارضی تھا اور اس بات کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کی جا رہی تھی کہ کم سے کم مدت میں ملک کے لیے ایک مستقل دستور بنایا جائے۔ چونکہ مسلم لیگ نے پاکستان کی جنگ لا الہٰ الا اللہ کے نعرے پر لڑی تھی۔ اس لیے اس بات میں شبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی کہ پاکستان کے عوام اپنے ملک کے لیے اسلامی دستور چاہتے تھے۔ لیکن بد قسمتی سے دستور ساز اسمبلی میں ایسے لوگ بہت بڑی تعداد میں منتخب ہو کر آ گئے تھے۔ جو لادینی نظام کے حامی تھے۔ قائدِ اعظم رحمۃاللہ علیہ نے بار بار یہ واضح کیا کہ پاکستان کا مستقبل کا آئین قرآن و سنت کی بنیاد پر بنا جائے گا۔ علماء نے اسلامی نظام کے حق میں آواز اٹھائی۔ عوام نے علماء کا ساتھ دیا اور اس طرح ملک میں اسلامی نظام کے حق میں ایک بہت بڑی تحریک کھڑی ہو گئی۔ قائدِ اعظم رحمۃاللہ علیہ کی شخصیت، علماء کی قیادت اور عوام کے جذبہ ایثار نے اسلام دشمن سیاستدانوں کی کوششوں کو ناکام بنادیا۔ نفاذ اسلام کی ملک گیر تحریک سے مجبور ہو کر 12 مارچ 1949ء کو دستور ساز اسمبلی نے آئین کے مقاصد کا تعین کرنے کے لیے ایک قرار داد منظور کی۔ یہ قرار داد جسے ''12 مارچ 1949ء کو دستور ساز اسمبلی نے آئین کے مقاصد کا تعین کرنے کے لیے ایک قرار داد منظور کی۔ یہ قرار داد جسے ''قرار داد مقاصد'' کہا جاتا ہے۔ اس وقت کے وزیر اعظم نواب زادہ لیاقت علی خانؒ نے دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کی۔

قرار داد مقاصد کے اہم نکات

قرار داد مقاصد کے اہم نکات کا خلاصہ یہ ہے:

1۔ اللہ کی حاکمیت:۔

پوری کائنات کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ حاکمیت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ پاکستان کے باشندوں کے پاس حاکمیت کا اختیار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقدس امانت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ اس بات کے پابند ہیں کہ قرآن و سنت کی حدود میں رہتے ہوئے اس اختیار کو بروئے کار لائیں اور ملک میں اسلامی جمہوری نظام قائم کیا جائے گا۔

1962ء کے آئین کی اسلامی دفعات

2۔نیابت:۔

ریاست کے اپنے اختیارات کو عوام کے نمائندوں کے ذریعے استعمال کرے گی اور یہ اختیارات قرآن و سنت کی روشنی میں طے کیے جائیں گے۔

3۔اسلام کے اجتماعی اصولوں کی پیروی:۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور اجتماعی انصاف کے اصولوں پر عمل کیا جائے گا۔

4۔اسلامی زندگی کا فروغ:۔

مسلمانوں کو اس قابل بنائے جائے گا کہ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو قرآن و سنت کے مطابق بسر کر سکیں تاکہ پاکستان کے قیام کے مقاصد پورے ہو سکیں۔

5۔اقلیتوں کا تحفظ:۔

اقلیتوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہو گی۔ نیز وہ اپنے تمدن کی نشو و نما اور جائز مفادات کے تحفظ میں بھی آزاد ہوں گی۔ چونکہ یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔

6۔بنیادی حقوق کا تحفظ:

شہریوں کو تمام بنیادی حقوق مثلاً آزادی، مساوات، ملکیت، اظہار رائے، عقیدہ، عبادات اور انجمن سازی وغیرہ کے حقوق کا تحفظ حاصل ہو گا۔ یعنی شہریوں کو ان حقوق سے محروم نہیں کیا جا سکے گا۔

قرارداد مقاصد کی اہمیت اور اثرات:۔

1۔ قراردادِ مقاصد میں پہلی بار مملکت پاکستان نے اس بات کا سرکاری طور پر اعتراف کیا کہ اس کا مقصد اسلامی نظام حکومت کا قیام ہے۔
2۔ قراردادِ مقاصد کی شکل میں نظریہ پاکستان کو پہلی بار سرکاری طور پر پاکستان میں آئین سازی کی بنیاد کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا۔
3۔ یہ قرارداد قومی اتفاق رائے کا مظہر تھی کیونکہ اسے تمام مکاتیب فکر کے علماء کی تائید حاصل تھی۔
4۔ قرارداد مقاصد کو بعد میں بننے والے تمام دساتیر کے آغاز میں افتتاحیہ کی حیثیت سے شامل کیا گیا۔
5۔ افتتاحیہ آئین کا قابل نفاذ حصہ نہیں ہوتا۔ اس کی حیثیت محض مملکت کی اخلاقی ذمہ داری کی ہوتی ہے۔ اس کمزوری کو محسوس کرتے ہوئے آٹھویں ترمیم کے تحت قرارداد مقاصد کو آئین کا باضابطہ حصہ بنا دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:۔

آئین کا افتتاحیہ قرارداد مقاصد کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔ افتتاحیہ میں کہا گیا ہے کہ پوری کائنات کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ حاکمیت میں کوئی اللہ کا شریک نہیں۔ پاکستان کے عوام اللہ کی مقررہ کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے حاکمیت کے اختیار کا استعمال ایک مقدّس امانت کے طور پر کریں گے۔

2۔ مملکت کا نام:۔

آئین میں مملکت کو ''جمہوریہ پاکستان'' قرار دیا گیا تھا۔ اسلامی کا لفظ حذف کرنے پر ملک میں احتجاج ہوا جس کے نتیجے میں ایک آئینی ترمیم کے ذریعے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کا نام بحال کر دیا گیا۔

3۔ صدر کا مسلمان ہونا:۔

1962ء کا آئین صدارتی نوعیت کا تھا اس لیے آئین میں وزیر اعظم کا عہدہ ہی موجود نہیں تھا تاہم صدر کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا تھا۔ کوئی غیر مسلم پاکستان کا صدر نہیں بن سکتا تھا۔

4۔ شریعت کی بالادستی:

آئین میں وعدہ کیا گیا کہ قانون سازی کرتے وقت اسلامی شریعت سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ پہلے سے رائج جو قوانین قرآن وسنت کے مطابق نہیں ہیں ان کو بتدریج تبدیل کر دیا جائے گا۔

5۔ اسلامی معاشرے کا قیام:۔

ایسا ماحول پیدا کرنے کا عزم ظاہر کیا گیا جس میں رہتے ہوئے پاکستان کے عوام اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو اسلام کے مطابق ڈھال سکیں۔ معاشرتی زندگی کو سود، عصمت فروشی، جوا، شراب نوشی اور اسی طرح کی دیگر قباحتوں سے پاک کر کے اسلامی معاشرت کے قیام کے لیے سازگار ماحول پیدا کیا جائے گا۔

6۔ اسلامی اداروں کا تحفظ:۔

آئین میں یہ وعدہ کیا گیا کہ زکوۃ، اوقاف اور مساجد کے کردار کو زیادہ موثر اور نتیجہ خیز بنانے کے لیے قانون سازی کی جائے گی۔

7۔ ترقی پسند فلاحی معاشرے کا قیام:۔

آئین میں کہا گیا کہ اسلامی اصولوں پر مبنی ایک ترقی پسند فلاحی معاشرے کا قیام اسلامی جمہوریہ پاکستان کا نصب العین ہو گا۔

8۔ اقلیتوں کا تحفظ:۔

آئین میں یہ عزم ظاہر کیا گیا کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان اسلام کی روح کے عین مطابق مذہبی آزادی اور رواداری کے اصولوں کی بنیاد پر اقلیتوں کے حقوق کا مکمل طور پر تحفظ کرے گی۔

9۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کا قیام:۔

اسلام کی روشنی میں نئے پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کرنے 6 لیے ''اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا۔

10۔اسلامی مشاورتی کونسل:۔

قانون، تعلیم اور دینی علوم کے ماہرین پر مشتمل ایک اسلامی مشاورتی کونسل قائم کی گئی۔ جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ پہلے سے موجود قوانین کو اسلام کی روح کے مطابق ڈھالنے نیز اسلام کی روشنی میں نئی قانون سازی کرنے میں صدر مملکت اور قانون ساز اداروں کی رہنمائی اور معاونت کرے۔

1973ء کے آئین کی اسلامی دفعات

1۔اللہ تعالیٰ کی حاکمیت:۔

آئین کا ابتدائیہ قراردادِ مقاصد کی بنیاد پر مرتب کیا گیا ہے۔اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہر گاہ کہ کل عالم پر صرف خدائے تعالیٰ کی حاکمیت اور مطلق اختیار قائم ہے۔ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ اختیار کی حدود کے اندر رہتے ہوئے حاکمیت کے اس اختیار کا استعمال پاکستان کے عوام کے پاس ایک مقدس امانت ہے۔''

قرار داد مقاصد کو آئین کا قابل نفاذ حصہ نہیں بنایا گیا تھا اس لیے اس کی حیثیت محض مملکت کی اخلاقی ذمہ داری تھی۔آٹھویں ترمیم کے تحت 1985ء میں پہلی بار یہ قراردادِ مقاصد کو آئین کے متن کا حصہ بنادیا گیا۔ گو اب اس قرارداد پر عمل کرنا مملکت کی قانونی ذمہ داری بن گیا ہے۔ لیکن یہ بات ابھی بھی واضح نہیں ہے کہ اگر حکومت اس ذمہ داری سے پہلو تہی کرے تو اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کا طریقہ کار کیا ہوگا۔

2۔مملکت کا نام:۔

دونوں سابقہ دساتیر کی طرح 1973ء کے آئین میں بھی مملکت کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' قرار دیا گیا۔

3۔سرکاری مذہب:۔

1973ء کے دستور میں وضاحت سے درج کیا گیا ہے کہ مملکت کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا۔دونوں سابقہ دساتیر میں یہ وضاحت موجود نہیں تھی۔

4۔صدر اور وزیر اعظم کا مسلمان ہونا:۔

1973ء کے آئین کے تحت صدر اور وزیر اعظم دونوں کا مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔1956ء کے آئین میں صرف صدر کا مسلمان ہونا ضروری تھا۔(1962ء کے آئین میں وزیر اعظم کا عہدہ موجود نہیں تھا۔تاہم صدر کا مسلمان ہونا ضروری تھا۔)

5۔مسلمان کی تعریف:۔

1973ء کے آئین میں پہلی مرتبہ مسلمان کی واضح طور پر تعریف کی گئی ہے۔ یہ تعریف دستور کے تیسرے گوشوارے میں صدر اور وزیراعظم کے حلف کی صورت میں آئین کا حصہ بنادی گئی ہے۔ اگرچہ اس تعریف کی رو سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے والے از خود دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں تاہم اس کی مزید وضاحت اس آئینی ترمیم سے کر دی گئی ہے جس کے تحت قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا ہے۔

6۔اسلامی معاشرے کا قیام:۔

دستور کے ابتدائیہ میں پاکستانی عوام کی اس خواہش کا اظہار کیا گیا ہے۔ کہ وہ جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور معاشرتی انصاف کے ان اصولوں پر مبنی نظام قائم کرنا چاہتے ہیں جو اسلام نے مقرر کئے ہیں۔ پالیسی کے اصولوں میں کہا گیا ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کی زندگیوں کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے اور انہیں ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں گے۔ کہ وہ زندگی کے اسلامی تصور سے آشنا ہو سکیں۔ آئین کے آرٹیکل 227 میں کہا گیا ہے کہ تمام موجودہ قوانین کو طے شدہ اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے گا اور کوئی ایسا نیا قانون نہیں بنایا جائے گا جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہو۔

پالیسی کے اصولوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ حکومت قرآن مجید اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینے کی کوشش کرے گی۔ عربی سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرے گی اور اس بات کا اہتمام کرے گی کہ قرآن مجید کی طباعت اغلاط سے پاک ہو۔

7۔اسلامی اقدار اور اداروں کا تحفظ:۔

پالیسی کے اصولوں میں کہا گیا ہے کہ حکومت زکوٰۃ، اوقاف اور مساجد کو صحیح خطوط پر منظم کرنے کی کوشش کرے گی۔ جہالت کے خاتمے، مزدوروں کے کام کے حالات کو بہتر بنانے، محتاجوں کو بنیادی ضرویات زندگی کی فراہمی، سود عصمت فروشی اور جوئے پر پابندی لگانا مملکت کی پالیسی کے اصولوں میں شامل ہے۔

8۔ نظریہ پاکستان کا اثبات:۔

آئین کے تیسرے گوشوارے میں صدرِ مملکت، وزیراعظم اور بعض دیگر اعلیٰ عہدے داروں کے حلف کی عبارات درج کی گئی ہے۔ حلف میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ اسلامی نظریہ ہی قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔

9۔اسلامی نظریہ کونسل:۔

آئین کے تحت اسلامی نظریہ کونسل کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ یہ ادارہ اسلامی قانون اور شریعت کے ماہرین پر مشتمل ہوگا۔ اسلامی نظریہ کونسل قوانین کو اسلام کے مطابق ڈھالنے میں قانون ساز اداروں کی رہنمائی کرے گی۔

10۔اتحاد عالم اسلامی:۔

پالیسی کے اصولوں پر اس عزم کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت اسلامی اَخوّت کی بنیاد پر مسلمان ممالک سے تعلقات کو مضبوط بنانے کی کوشش کرے گی۔

نفاذِ اسلام کے لیے اقدامات

نظام اسلام کی تحریک:۔

قیام پاکستان کی تحریک میں مسلم لیگ نے وعدہ کیا تھا کہ پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت قائم کیا جائے گا۔لہٰذا قیام پاکستان کے فوراً بعد عوام نے حکومت سے مطالبہ شروع کیا کہ اسلامی آئین نافذ کیا جائے۔

علماء کے 22 نکات:۔

تمام مکاتیب فکر کے علماء نے متحد ہو کر آئین سازی سے متعلق بنیادی اصولوں کو 22 نکات کی صورت میں مرتب کر کے حکومت کے سامنے پیش کیا۔

قراردادِ مقاصد:۔

عوام کے مطالبے سے مجبور ہو کر حکومت نے مارچ 1949ء میں آئین ساز اسمبلی کے سامنے ایک قرارداد پیش کی جس میں واضح کیا گیا کہ پاکستان میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔پاکستان میں جمہوریت، مساوات اور معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں پر مبنی نظام حکومت قائم کیا جائے گا۔

اسلام اور دستور سازی:۔

1956ء، 1962 اور 1973 میں بننے والے تینوں دساتیر میں قرارداد مقاصد کو پیش لفظ کے طور پر شامل کیا گیا۔1985ء میں آٹھویں ترمیم کے تحت پہلی بار قرارداد مقاصد کو دستور کا باقاعدہ قابل نفاذ حصہ بنادیا گیا۔پاکستان کے تمام دساتیر میں مملکت کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' قرار دیا گیا۔سربراہ مملکت کا مسلمان ہونا ضروری ٹھہرایا گیا اور اسلام کی تشریح و تعبیر کے لیے اسلامی مشاورتی کونسل جیسے ادارے قائم کیے گئے۔

تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ:۔

1977ء کی تحریک نظامِ مصطفیٰ ﷺ سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ پاکستان کے عوام نفاذِ اسلام کے سلسلے میں اپنی حکومت کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔اس جذبے کو دیکھتے ہوئے 1977ء میں برسرِ اقتدار آنے والی مارشل لاء حکومت نے اسلامی نظامِ حکومت کے نفاذ کے لیے بہت سے مثبت اقدامات کیے۔

1977ء کے بعد نفاذ اسلام کے اقدامات

عدلیہ اور قوانین:۔

قوانین اور عدالتی نظام کو بتدریج اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کے عمل کا آغاز 12 ربیع الاول 1399ء ہجری (10 فروری 1979) کے دن سے ہوا۔اس سلسلے میں حسب ذیل اقدامات کئے گئے:

1۔ شراب نوشی، چوری، زنا اور قذف کے لیے اسلامی سزائیں نافذ کی گئیں۔

2۔ وفاقی سطح پر وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی جس کا درجہ ہائی کورٹ کے برابر ہے۔ علماء کو جج بنایا گیا۔

3۔ عدالتوں کے طریق کار سے غیر اسلامی روایات کو ختم کیا گیا۔

4۔ اسلامی قانون کے نفاذ کو ممکن بنانے کے لیے مطلوبہ افراد کی کمی محسوس کرتے ہوئے اس مقصد کے لیے اسلام آباد میں شریعت فیکلٹی اور اسلامی یونیورسٹی قائم کی گئی۔ نیز دینی تعلیم کے بعض اداروں میں قاضی کلاسیں جاری کی گئیں۔

5۔ قرارداد مقاصد کو آئین کا باضابطہ اور قابل نفاذ حصہ بنادیا گیا۔

اقتصادی معاملات:۔

1۔ 20 جون 1980 کو ملک میں نظام زکوٰۃ قائم کرنے کا اعلان کیا گیا۔ حکومت نے ابتدائی طور پر زکوٰۃ فنڈ میں سوا دو ارب روپے کی رقم خود جمع کرائی۔

2۔ عشر جمع کر کے ناداروں میں تقسیم کرنے کی سکیم پر عمل درآمد کا آغاز 1983ء کی فصل ربیع سے ہوا۔

3۔ یکم جنوری 1981ء سے بینکوں اور بعض دیگر مالیاتی اداروں کے کاروبار سے سود کو ختم کرنے کے عمل کا آغاز کیا گیا۔

دینی شعائر اور احکام کا احترام:۔

ایک مثالی اسلامی ریاست محض چند قوانین اور احکام کے ذریعے قائم نہیں ہو سکتی۔ اسلامی ریاست ایک اسلامی معاشرے سے ہی وجود میں آتی ہے۔ معاشرت کو اسلامی رنگ دینے کے لیے حکومت نے مندرجہ ذیل اقدامات کئے:

1۔ سرکاری اداروں میں ظہر کی نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔

2۔ رمضان المبارک کے دوران پبلک مقامات پر کھانے پینے کی ممانعت کے لیے احترام رمضان آرڈی نینس نافذ کیا گیا۔

3۔ خلفائے راشدینؓ اور اہل بیتؓ کی شان میں گستاخی کو قانوناً جرم قرار دیا گیا۔

4۔ رشوت، بدعنوانی اور نااہلی کا خاتمہ کرنے کے لیے وفاقی سطح پر محتسب اعلیٰ کا تقرر کیا گیا۔

5۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اذان نشر کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ اذاں یاد دلاتی ہے کہ پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے۔

تعلیم:۔

1۔ اسلامی تعلیمات کو لازمی مضمون کی حیثیت دی گئی۔

2۔ معاشرے میں علماء کا وقار بلند کرنے کے لیے دینی مدارس کی سندوں کو بی۔اے اور ایم اے کے مساوی قرار دیا گیا۔

3۔ مسلح افواج میں دینی معلموں کو کمشنڈ افسر کا درجہ دیا گیا۔

4۔ ابتدائی سطح پر تعلیم کی اسلامی تشکیل کے لیے مسجد مکتب سکیم کا اجراء کیا گیا۔

5۔ لاء کالجوں میں فقہ (اسلامی قانون) کو لازمی حیثیت دے دی گئی۔

اسلامی قومیت کی تعمیر:۔

1۔ مطالعہ پاکستان کو لازمی مضمون کی حیثیت دی گئی۔

2۔ عدالتوں، سرکاری اداروں نیز روزمرہ زندگی میں قومی لباس کے فروغ کے لیے مثبت اقدامات کیے گئے۔

3۔ صدر ضیاء الحق مرحوم نے اندرون ملک اور بیرون ملک قومی زبان میں خطاب کی روایت کا آغاز کیا اور قومی زبان اپنانے کی ترغیب دی۔

ذرائع ابلاغ:۔

1۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کو اسلامی اور قومی تشخص ابھارنے کے لیے استعمال کیا گیا۔

2۔ غیر شریفانہ اور غیر اسلامی پروگراموں پر پابندی عائد کی گئی۔

3۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو سے قرآن پاک اور عربی کی تعلیم کا اہتمام کیا گیا۔

4۔ حج اور دیگر اسلامی تقریبات کو ٹیلی ویژن پر دکھانے کا اہتمام کیا گیا۔

5۔ اسلامی تعلیمات پر مبنی پروگراموں میں اضافہ کیا گیا۔

شریعت بل:۔

1991ء میں پارلیمنٹ نے شریعت بل کی منظوری دی۔ اس بل کا مقصد یہ ہے کہ نفاذ اسلام کا عمل محض اعلانات اور غیر موثر دستوری تصریحات تک محدود نہ رہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر اسے مملکت کے نافذ العمل قانون کی حیثیت حاصل ہو جائے۔

نفاذِ اسلام کی راہ میں حائل مشکلات

قرارداد مقاصد مارچ 1949ء میں منظور ہوئی تھی۔ اس قرارداد میں پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے تمام بنیادی اصول واضح طور پر بیان کر دیئے گئے تھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ پاکستان کے تینوں باضابطہ دساتیر اور (1956، 1962، 1973) میں قرارداد مقاصد میں طے کئے گئے اصولوں کی پاسداری کی گئی اور پاکستان کو اسلامی جمہوریہ بنانے کے لیے تمام آئینی ضروریات کی ترتیب صحیح کر دیں۔ آج ہم یہ دعوےٰ تو ضرور کر سکتے ہیں کہ پاکستان میں ایک بہترین اسلامی آئین نافذ ہے

اوران جس کے رہنمااصولوں کے مطابق ایک مثالی اسلامی ریاست اور اسلامی معاشرہ کے قیام کی طرف پیش رفت جاری ہے۔ان مقاصد کے حصول میں درپیش رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے خلوص نیک نیتی اور لگن درکار ہے۔ جس میں اجتماعی طور پر شہری کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

ہماری ناکامی کی اصل وجہ ہماری نفاذ اسلام کی حکمت عملی کا ناقص ہونا ہے۔اسلامی ریاست ایک اسلامی معاشرے میں ہی قائم ہو سکتی ہے۔اسلامی معاشرے سے ایک ایسا معاشرہ مراد ہے جس کے لوگوں کی سیرت اسلام کے سانچے میں ڈھل چکی ہو اور اللہ کے احکام کی پیروی جن کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا بن چکی ہو۔سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل بنیادی طور پر ایک جمہوری عمل ہے۔یہ عمل ایک خاموش محنت اور جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔ تعلیم، تزکیہ اور دعوت اس عمل کے بنیادی عناصر ہیں۔جب اس جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں ایک اسلامی معاشرہ وجود میں آجاتا ہے تو اس میں قائم ہونے والی ریاست بھی لا محالہ اسلامی ہی ہوتی ہے۔ قانون کا دائرہ عمل انتہائی محدود ہے۔ قانون سے کبھی اسلامی معاشرہ تخلیق ہو سکتا ہے نہ اسلامی ریاست قائم ہو سکتی ہے۔البتہ اس سے اسلامی معاشرے اور ریاست کی حفاظت کا کام ضرور لیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے تیسرے ہی سال کفار مکہ نے منصب حکومت کی پیش کش کی تھی، اگر محض قانون اور حکومتی اختیار کے زور سے اسلامی ریاست کا قیام ممکن ہوتا تو آنحضرت ﷺ اس پیش کش کو قبول کر کے اسلامی ریاست قائم کر دیتے۔آپ ﷺ نے ایسا اس لیے نہیں کہ ایسا ممکن نہیں تھا۔اسلامی ریاست اسی وقت قائم ہوتی جب جمہوری اور دعوتی جدوجہد کے ذریعے لوگوں کو اس کے لیے تیار کر لیا گیا ہو۔اس بات کو دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نفاذ اسلام سے پہلے نفوذ اسلام کی منزل آتی ہے۔اسلامی ریاست سے پہلے اسلامی معاشرہ انتہائی ضروری ہے۔ جب ہم محض قانون سازی کے ذریعے اسلامی ریاست قائم کرنے کی بات کرتے ہیں تو یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ہم قصرِ اسلام کی تعمیر بنیادوں کی بجائے چھت کی طرف سے شروع کرنا چاہتے ہوں۔اسلامی ریاست کے قیام اور اسلامی قانون اور آئین کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ہمیں تعلیم اور دعوت کے ذریعے لوگوں کے اخلاق اور اعمال کی اصلاح کی جانب بھی بھرپور توجہ دینا ہوگی۔اور ایک عملِ مسلسل سے آئین میں دیئے گئے ان مقاصد کی تکمیل ہو سکے گی۔

اقوام متحدہ کا اعلان حقوق: اہم نکات

اقوام متحدہ 1945ء میں قائم ہوئی۔اقوام عالم کے اس ادارے نے عالمی امن کے قیام اور انسانی حقوق اور آزادیوں کے تحفظ کو اپنا بنیادی مقصد قرار دیا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ انسانی حقوق کی ایک ایسی جامع فہرست مرتب کی جاتی جو دنیا کے تمام اقوام کے لیے قابل قبول ہوتی۔اقوام عالم کے ماہرین نے طویل غور وفکر اور بحث و مباحثہ کے بعد انسانی حقوق کی ایک دستاویز مرتب کی جسے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے 10 دسمبر 1948ء کو منظور کیا۔اس دستاویز کو Universal Declaration of Human Rights کا نام دیا گیا۔اس ڈیکلریشن یا اعلان کے اہم نکات کا خلاصہ درج ذیل ہے:

مساوات:۔

تمام انسان پیدائشی طور پر یکساں تکریم اور مساوی حقوق کے مستحق ہیں۔ تمام صاحب شعور و ضمیر انسانوں کا فرض ہے کہ وہ دوسرے تمام انسانوں کو اپنا بھائی سمجھیں۔

امتیازات کی نفی:

حقوق اور آزادیوں کے راستے میں نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب، عقیدہ، معاشرتی یا قومی پس منظر، ملکیت، پیدائش، یا اسی طرح کی دوسری چیزوں کو حائل نہیں ہونا چاہیے۔

تحفظ ذات کا حق:۔

ہر شخص کو زندگی، آزادی اور شخصی تحفظ کا حق حاصل ہوگا۔

غلامی کی نفی:۔

کسی شخص کو غلامی یا جبری مشقت پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

غیر انسانی سلوک کی ممانعت:

کسی شخص پر تشدد نہیں کیا جاسکے گا نہ اسے غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک کا نشانہ بنایا جائے گا۔

قانون کی نظر میں مساوات:۔

قانون کی نظر میں تمام انسانوں کو مساوی حیثیت حاصل ہوگی۔

دفاع کا حق:۔

کسی شخص کو مقدمہ چلائے بغیر اور دفاع کا موقعہ دیے بغیر سزا نہیں دی جاسکے گی۔ کسی شخص کو کسی ایسے جرم کی پاداش میں بھی سزا نہیں دی جاسکے گی جو اس وقت قانونی طور پر مجرم نہیں تھا جب اس شخص نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا۔

خاندان اور نجی زندگی کا حق:۔

کسی شخص کی نجی اور خاندانی زندگی نیز تخلیے میں مداخلت نہیں کی جاسکے گی۔

نقل و حرکت اور سکونت کا حق:۔

ہر شخص کو اپنی ریاست کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے اور سکونت اختیار کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

ازدواجی زندگی کا حق:۔

ہر بالغ مرد اور عورت کو اپنی مرضی سے شادی کرنے کا حق ہوگا۔ خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے اور اس کا تحفظ ریاست کی ذمہ داری ہے۔

ملکیت کا حق:۔

ہر شخص کو تنہا یا دوسروں کے ساتھ شریک ہو کر جائیدار بنانے کا حق حاصل ہو گا۔

ضمیر، مذہب اور عقیدے کا حق:۔

ہر شخص کو اپنے ضمیر کے مطابق عقیدہ رکھنے، مذہب اختیار کرنے نیز اس پر عمل کرنے اور اس کے اظہار تبلیغ کا حق حاصل ہو گا۔ نیز ملکی حدود و قیود کو معلومات کے حصول اور ترسیل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بننے دیا جائے گا۔

پرامن اجتماع کا حق:۔

ہر شخص کو پرامن اجتماع منعقد کرنے کا حق حاصل ہو گا لیکن کسی شخص کو کسی خاص اجتماع میں شرکت پر مجبور نہیں کیا جاسکے گا۔

سیاسی عمل میں شرکت کا حق:۔

حکومتیں اپنا اختیار لوگوں کی رائے سے ہی حاصل کریں گی۔ لوگ سیاسی عمل میں حصہ لینے کے لیے آزاد ہونگے انہیں بلا امتیاز سرکاری اور انتظامی عہدوں تک رسائی کا حق حاصل ہو گا۔ سیاسی عمل کی بنیاد آزادانہ الیکشن پر ہو گی۔

روزگار کا حق:۔

ہر شخص کو بلاامتیاز اپنی پسند کا پیشہ یا جائز ذریعہ معاش اختیار کرنے کا حق حاصل ہو گا۔

آرام اور فراغت کا حق:۔

اوقات کار محدود ہونگے، ہر شخص کو آرام اور فراغت نیز تنخواہ کے ساتھ چھٹی کا حق حاصل ہو گا۔

بنیادی ضروریات زندگی کا حق:۔

خوراک، لباس، گھر اور علاج بنیادی ضروریات زندگی ہیں اور ہر فرد اور خاندان کا حق ہیں۔ مائیں، بچے محتاج اور بے روزگار خصوصی سماجی تحفظ کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

تعلیم کا حق:۔

بنیادی تعلیم مفت ہونی چاہیے، تعلیم کا مقصد سیرت کی ایسی تعمیر ہے جس سے عالمی برادری رواداری اور اخوت کے جذبات پروان چڑھیں۔

حقوق اور فرائض

حقوق:۔

حقوق حق کی جمع ہے۔ انگریزی میں حقوق کے لیے Rights کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مشہور فلسفی ٹی ایچ گرین(T.H Green) نے حقوق کی تعریف ان الفاظ میں کی تھی:

''حقوق اچھی زندگی گزارنے اور تمام انسانوں کی شخصیت کی تعمیر و تکمیل کے لیے ضروری شرائط کا نام ہے۔''

حقوق کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسان۔ اللہ تعالٰی نے انسان کو زمین پر اتارنے سے پہلے جس ''ھدیٰ'' (ضابطہ ہدایت اور نظام زندگی) کے بھیجنے کا وعدہ کیا تھا اس میں تمام بنیادی انسانی حقوق کی ضمانت شامل تھی۔ آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر کے سب سے بڑے انسانی حق یعنی زندگی کو پامال کرنے والا سب سے پہلا انسان تھا (اس واقعہ کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے)۔ دنیا میں آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد طاقتوروں کے مقابلے میں کمزوروں کے حقوق کی حفاظت کرنا تھا۔ حضور نبی کریم ﷺ نے حقوق و فرائض کے باہمی تعلق کو آج سے چودہ سو سال پہلے جس وضاحت اور خوبی سے بیان کیا آج تک دنیا کا کوئی ماہر سیاسیات اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا۔ حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں سے ویسا ہی سلوک کرے جیسے سلوک کی وہ خود دوسروں سے توقع رکھتا ہے گویا اگر ایک شخص زندہ رہنے کا حق مانگتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے حقِ زندگی کا بھی احترام کرے۔ اگر وہ عزت چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ دوسروں کی عزت اس کے ہاتھ سے محفوظ رہے۔ خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کے بارے میں ایک جامع ترین دستاویز ہے۔ اسلامی ریاست میں شہریوں کے حقوق کا احترام کس حد تک کیا جاتا ہے اس کا اندازہ حضرت ابو بکرؓ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ میرے نزدیک کمزور اس وقت تک طاقت ور ہے جب تک میں طاقت ور سے اسے اس کا حق نہ دلادوں اور طاقتور اس وقت تک کمزور ہے جب تک اس سے کمزور کا حق وصول نہ کر لوں۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اعلان حقوق کے تقریباً چھ صدیاں بعد 1215ء میں انگلستان کے لوگوں کو پہلی مرتبہ میگنا کارٹا(Magna Carta) کی رو سے بعض بنیادی حقوق حاصل ہوئے۔ اہل فرانس اور امریکہ برطانیہ سے بھی تقریباً چھ صدیاں بعد بنیادی حقوق کے تصور سے آشنا ہوئے۔

آج دُنیا کے تمام مہذب ممالک کے دساتیر میں بنیادی حقوق کا باب لازمی طور پر شامل ہوتا ہے۔ ان حقوق کو ناقابل تنسیخ قرار دیا جاتا ہے اور عدالتوں کو ان حقوق کا محافظ بنایا جاتا ہے۔

حقوق کی خصوصیات:۔

حقوق کی بنیادی خصوصیات درج ذیل ہیں:

1۔ حقوق متمدن زندگی کی بنیادی شرائط ہیں۔

2۔ ریاست اپنے اختیارات کو استعمال میں لا کر حقوق کا تحفظ کرتی ہے گویا موجودہ دور میں حقوق کا تحفظ ریاست کے ذریعے ہی ممکن ہے۔

3۔ حقوق میں یکسانیت ہوتی ہے یعنی تمام حقوق تمام شہریوں کو یکساں طور پر حاصل ہوتے ہیں۔

4۔ حقوق ناقابل تنسیخ ہوتے ہیں یعنی کسی شہری کو اس وقت تک اس کے کسی حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا جب تک کسی قانونی یا آئینی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ایسا کرنا ضروری نہ ہو گیا ہو۔

5۔ حقوق و فرائض لازم و ملزوم ہیں یعنی ایک شخص کا حق دوسرے کا فرض ہوتا ہے۔

6۔ حقوق ہی وہ اقدار ہیں جن کو معیار بنا کر انسانی معاشرے میں منصفانہ اور غیر منصفانہ (Just and Injust) کا معیار قائم کیا جاتا ہے۔

فرائض:۔

فرائض فرض کی جمع ہے۔ انگریزی میں فرائض کے لیے Duties کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ فرض سے مراد:

> ''وہ ذمہ داری ہے جسے کوئی شخص اس لیے نبھاتا ہے کہ وہ اس کے کام کا حصہ ہے یا کوئی ایسا کام ہے جو ایک شخص اس لیے کرتا ہے کہ اخلاقی اور قانونی طور پر اس کا تقاضا کیا جاتا ہے۔''

یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ فرد یا معاشرے کے ایک شخص سے مطالبات کو اس شخص کے فرائض کہا جاتا ہے

حقوق اور فرائض سے انحراف کے نتائج:۔

حقوق و فرائض کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ ہر وہ حق جو ہمیں حاصل ہوتا ہے اس کے ساتھ ہم پر ایک فرض بھی عائد ہو جاتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ حقوق و فرائض کے تعلق کی نوعیت ایسی ہی ہے کہ جیسے ایک سکے کے دو رُخ۔ ہر حق ایک فرض کے ساتھ اس طرح پیوست ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ حقوق و فرائض سے انحراف کے نتائج معاشرتی زندگی کے حق میں بہت مہلک ہو سکتے ہیں ان نتائج کو ہم بطورِ خلاصہ اس طرح بیان کر سکتے ہیں:

حقوق و فرائض کا تعلق انسان کی معاشرتی زندگی سے ہے ''الف'' کا حق ''ب'' کا فرض ہے۔ اور ''ب'' کا فرض ''الف'' کا حق۔ مثلاً ''الف'' کو زندگی کے تحفظ کا حق ہے تو اس حق کے ساتھ ہی اس پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ ''ب'' (یعنی معاشرے کے تمام افراد) کے حقِ زندگی کا احترام کرے (کسی کی جان لینے کی کوشش نہ کرے)۔ اگر ''الف'' اپنا فرض پورا نہیں کرتا ہے اور کسی کی جان لیتا ہے تو وہ خود بھی حقِ زندگی سے محروم ہو جاتا ہے اور اسے سزائے موت دی جاتی ہے۔

ایک محقق کا قول ہے کہ:

> ''یہ سوچ قطعاً بے فائدہ ہے کہ حقوق کو فوقیت حاصل ہے یا فرائض کو۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ اگر ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ تو کرتا رہے لیکن دوسروں کی طرف سے اس پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں ان کو پورا نہ کرے تو ایک وقت آئے گا کہ کسی بھی شخص کا کوئی حق باقی نہیں رہے گا۔''

حقوق اور فرائض کا فیصلہ محض برابری کی سطح پر نہیں ہوتا بلکہ حقوق کچھ ایثار اور ضبطِ نفس کا مطالبہ بھی کرتے ہیں۔ حقوق کا مقصد انسانی حرص اور تمناؤں کی تسکین نہیں ہے ان کا ایک اعلیٰ نصب العین بھی ہے۔ ایک فرد کو اپنے فرائض کی بجاآوری اس طرح کرنی چاہیے کہ وہ نہ صرف اپنے لیے زیادہ سے زیادہ خیر کو حاصل کرے بلکہ اس سے پورے معاشرے کو خیر اور نفع حاصل ہو۔ مثال کے طور پر مجھے اظہار رائے کا حق حاصل ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ میں اس حق کو تشدد اور منافرت پھیلانے کے لیے بھی استعمال کر سکتا ہوں۔

حقوق اور فرائض سے انحراف کرتے ہوئے ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے کہ فرض ادا کرنے والے اور حق حاصل کرنے والے کے علاوہ دنیا میں ایک تیسری قوت بھی موجود ہے جو حقوق و فرائض کی پاسداری اور ان کے موثر نفاذ کے عمل کی نگران ہے۔ یہ قوت ریاست ہے۔ ریاست ان کو سزا دیتی ہے جو اپنے فرائض کی بجاآوری میں کوتاہی برتتے ہیں اور ریاست ہی شہریوں کے حقوق کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ قول ''اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو'' حقوق و فرائض کے بارے میں لکھی جانے والی ہزاروں کتابوں پر بھاری ہے۔ اگر انسانیت اس ایک مختصر سے جملے کو اپنا دستور العمل بنالے تو معاشرت کی ترقی اور اصلاح کے لیے کسی دوسرے فلسفے یا عمرانی علم کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

انسانی حقوق

انسانی حقوق کی وضاحت کی غرض سے استعمال کی جانے والی اصطلاحات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ فطری حقوق:۔

بحیثیت انسان ہر فرد کو کچھ حقوق اپنی پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔ سیدنا عمرؓ کا قول ہے:

''انسانوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے۔'' ان حقوق کو فطری حقوق کا نام دیا جاتا ہے۔

2۔ معاشرتی حقوق:۔

معاشرتی حقوق ہمارے ان اختیارات کو کہا جاتا ہے جن کو معاشرہ اور عوامی رائے نے تسلیم کر لیا ہو۔ معاشرتی حقوق کو اخلاقی حقوق، کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

3۔ قانونی حقوق:۔

بعض صورتوں میں کچھ شریر طبع لوگ معاشرتی اور اخلاقی دباؤ کو نظر انداز کرتے ہیں اور دوسروں کو حقوق سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا راستہ روکنے کے لیے ریاست کی طاقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ریاست کا قانون جن حقوق کو اپنی طاقت کے ذریعے تحفظ دیتا ہے انہیں قانونی حقوق کہا جاتا ہے۔

4۔بنیادی حقوق:۔

مہذب دنیا نے غور وخوض کے بعد انسانی زندگی کی جن شرائط کو انسانی معاشرے کی بقااور انسانی شخصیت کے تحفظ کے لیے ناگزیر قرار دیا ہے۔انہیں بنیادی حقوق کہا جاتا ہے۔اقوام متحدہ کے ''منشورِ حقوق''میں ان حقوق کی ایک جامع فہرست موجود ہے۔ تمام جمہوری ریاستوں کے دساتیر میں ان حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے۔

5۔شہری حقوق:۔

بنیادی حقوق کو دومزید قسموں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔شہری حقوق اور سیاسی حقوق۔شہری حقوق سے مراد وہ بنیادی حقوق ہیں جو شہری زندگی اور جائیداد کو تحفظ فراہم کرتے ہیں اور شہری کی شخصیت کی نشوونما کے لیے مناسب ماحول پیدا کرتے ہیں۔

6۔سیاسی حقوق:۔

سیاسی حقوق شہریوں کو ایک ریاست کے معاملات میں حصہ لینے کے قابل بناتے ہیں۔

اہم شہری حقوق:۔

i) زندگی کے تحفظ کا حق
ii) ملکیت بنانے، رکھنے اور وارثت میں منتقل کرنے کا حق
iii) خاندانی زندگی کا حق
iv) اجتماع کا حق
v) معاہدات کا حق
vi) آزادی فکر واظہار کا حق
vii) انجمن ادارے بنانے کا حق
viii) حصول تعلیم کا حق
ix) عقیدے اور ایمان کا حق
x) آزادانہ نقل وحرکت کا حق
xi) خط وکتابت اور روابط کے اخفاء کا حق
xii) قانون کی نظر میں دوسروں کے برابر ہونے کا حق
xiii) معاشی حقوق (یعنی بنیادی ضروریات زندگی کی فراہمی، روزگار کی فراہمی نیز غلامی اور بیگار سے تحفظ کے حقوق)
xiv) عورتوں کا مساویانہ برتاؤ کا حق

اہم سیاسی حقوق:۔

1۔ ووٹ دینے کا حق
2۔ نمائندگی کرنے کا حق
3۔ عوامی عہدوں پر فائز ہونے کا حق
4۔ اپنے نمائندوں پر تنقید کرنے اور انہیں معزول کرنے کا حق

خطبہ حجتہ الوداع۔انسانی حقوق کا جامع منشور

ذی الحجہ 10 ہجری یعنی 632ء میں رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد پہلا اور آخری حج ادا فرمایا۔اس حج میں آپ ﷺ نے مختلف مقامات پر جو مختصر خطبات ارشاد فرمائے ان کو اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ اور جوہر کہنا چاہیے۔ حدیث کی معتبر کتابوں بخاری، ابو داؤد اور مسلم میں صحیح ترین روایات کے ساتھ ان خطبات کے مقامات اور الفاظ کی تفصیل درج کی گئی ہے۔ بعض اہل علم نے ان متعدد خطبات کو جمع کر کے ایک مسلسل خطبے کی شکل بھی دی ہے۔ خطبات حجتہ الوداع انسانی حقوق کے حوالے سے تاریخ انسانی کی اہم ترین دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں۔آئندہ سطور میں ہم ان خطبات کے اہم نکات کا جائزہ لیں گے :

1۔جاہلیت کا خاتمہ:۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے قدموں کے نیچے ہیں۔''

جاہلیت کے یہ دستور کیا تھے انسانوں پر انسانوں کی خدائی، ملوکیت، آمریت، مذہبی جبر، اسلام نے ان سب کو ختم کر دیا۔

2۔انسانی مساوات:۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے۔ہاں عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، سرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں۔ مگر تقویٰ کے سبب سے۔''

3۔غلامی کا خاتمہ:۔

غلامی کی صدیوں پرانی روایت عربوں سمیت پوری دنیا کی معاشرت میں اس طرح پیوست ہو چکی تھی کہ اگر اس کو ایک حکم کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی جاتی تو معاشرے کی پوری عمارت زمین بوس ہو جاتی۔اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے اس نے غلامی کے خاتمے کے لیے تدریجی حکمت عملی اختیار کی اور غلام رکھنے والوں پر ایسی پابندیاں عائد کر دیں کہ انہیں بالآخر غلاموں کو آزاد کرنے میں ہی اپنی نجات نظر آئی۔اس کا عملی ثبوت یہ ہے کہ دنیا بھر میں غلامی کا خاتمہ سب سے پہلے مسلمان معاشروں میں ہوا۔(امریکہ میں غلامی اٹھارویں صدی تک قائم تھی جسے ختم کرنے کے لیے امریکی صدر ابراہام لنکن کو باقاعدہ جنگ لڑنا پڑی) خطبہ حجتہ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، وہی ان کو پہناؤ جو خود پہنو۔''

جان اور مال کے حقوق:۔

مسلمانوں کے لیے حرم کعبہ سے محترم کوئی دوسری چیز نہیں ہو سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی مثالیں دے کر فرمایا کہ تمہارے لیے ایک دوسرے کا خون اور مال اس طرح قابل احترام ہے جس طرح کعبتہ اللہ۔

عزت وآبرو کے حقوق:۔

ایک مقام پر سیدِ عالم ﷺ نے جان ومال کے علاوہ دوسروں کی عزت وحرمت کی پاسداری کا حکم بھی دیااور یہ فرمایا کہ یہ حکم قیامت تک کے لیے ہے۔

مذہبی انتہاء پسندی سے اجتناب:۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''مذہب میں غلو(شدت، مبالغہ اور سختی) سے بچو کیونکہ تم سے پہلی قومیں اس لیے برباد ہوئیں کہ مذہبی انتہاپسندی کا شکار ہو گئی تھیں۔''

قانونی حقوق:۔

رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرمایا کہ کسی شخص کو کسی دوسرے گناہ کی سزا نہیں دی جاسکتی۔ یہاں تک بیٹا بھی اپنے باپ کا جرم کا ذمہ دار نہیں۔

''ہاں مجرم! اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے۔ ہاں باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں اور بیٹے کے جرم کی جوابدہی باپ کے ذمے نہیں۔''

حکمرانوں کے حقوق:۔

سیدِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ قانونی طور پر قائم شدہ حکومت کا یہ حق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

وراثت کے حقوق:۔

قرآنِ حکیم اور سنت نبوی ﷺ میں وراثت کے تمام حقوق کی تصریح کر دی گئی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کو یہ حق نہیں کہ وہ وراثت کے طے شدہ قوانین سے انحراف کرتے ہوئے کسی کو حق وراثت سے محروم کر دے فرمایا کہ :(از روائے وارثت)

''اللہ نے ہر حق دار کو کو اس کا حق دے دیا ہے۔اب کسی کو وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں۔''

عورتوں کے حقوق:۔

اسلام سے پہلے عورتوں کو انسانوں کی بجائے جائیدار یا ملکیت کی چیز سمجھا جاتا تھا۔اسلام نے پہلی مرتبہ واضح طور پر عورتوں کو شرف اور تکریم عطا کی۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا:

''عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرو، تمہارا حق عورتوں پر ہے اور عورتوں کا حق تم پر۔''

نفرت اور انتقام کی نفسیات کا خاتمہ:۔

انسانی معاشرے کو فساد اور تشدد میں مبتلا کرنے والی سب سے بڑی چیز نفرت اور انتقام کی انسانی نفسیات ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس سے پہلے فتح مکہ کے موقع پر یک طرفہ ایثار کے ذریعے عفوودرگزر کی اعلیٰ مثالیں قائم کر چکے تھے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں آنجناب ﷺ نے فرمایا:

''جاہلیت کے تمام خون اور انتقام باطل کر دیے گئے، سب سے پہلے میں اپنے خاندان یعنی ربیعہ بن حارث کا خون معاف کرتا ہوں۔''

پھر فرمایا:

''جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیے گئے، سب سے پہلے اپنے خاندان کا (یعنی اپنے چچا) عباسؓ بن مطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔''

دیگر حقوق کے لیے حوالہ:۔

رسول اللہ ﷺ ہمیشہ بہت مختصر خطبات ارشاد فرماتے تھے۔ خطبات حجۃ الوداع بھی نہایت مختصر تھے۔ ان خطبات میں بلا کی بلاغت اور جامعیت تھی لیکن ظاہر ہے کہ ان میں تمام حقوق و معاملات کی تفصیل بیان نہیں ہو سکتی تھی اس لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو قرآن و سنت سے رجوع کرنے کی تاکید فرمائی۔ فرمایا:

''لوگو! میری بات غور سے سمجھ لو۔ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اب میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک ان کو مضبوطی سے تھامے رہو گے راستے سے نہیں بھٹکو گے۔ وہ واضح اور روشن ہیں یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔''

خطبہ حجۃ الوداع اور اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور۔ ایک تقابلی جائزہ:۔

اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور بلاشبہ انسانی حقوق کی ایک جامع اور خوبصورت دستاویز ہے اور ہر شریف و مہذب انسان کے لیے اس کا اعتراف و احترام واجب ہے لیکن اس سلسلہ میں دو باتیں نہایت قابل غور ہیں۔ پہلی یہ کہ جدید دنیا بے شمار تجربات، جنگوں اور تباہیوں سے گزرنے کے بعد جن نتائج تک پہنچی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے وحی الٰہی کی روشنی میں وہ اصول انتہائی اختصار اور جامعیت کے ساتھ اس سے 1400 برس پہلے بیان فرما دیئے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا منشور محض اچھے الفاظ اور نیک خواہشات کا مرقع ہے۔ اس کی کوئی ٹھوس عملی اور قانونی حیثیت نہیں۔ اقوام متحدہ کے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں کہ وہ ان کو نافذ کر سکے یا منوا سکے۔ اس کے برعکس خطبہ حجۃ الوداع میں نہ صرف بنیادی حقوق بیان کیے گئے ہیں بلکہ اس بات کی ضمانت بھی فراہم کی گئی ہے کہ ان پر عمل درآمد بھی ہو گا۔

1۔ تمام انسان جو ان حقوق کے مخاطب ہیں آخرت کی جواب دہی کے شدید احساس کے تحت ان حقوق کی بجا آوری کے پابند ہوں گے۔

2۔ ہر مسلمان ریاست کی ذمہ داری ہو گی کہ وہ اپنے قانونی نظام کے ذریعے ان حقوق کے تحفظ اور نفاذ کو یقینی بنائے۔

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ 1956ء کے آئین کے تحت ______________ کے لیے مسلمان ہونا ضروری قرار دیا گیا۔

2۔ 1973ء کے آئین کے تحت ______________ کو پاکستان کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔

3۔ ______________ کے آئین میں مملکت کا نام ایک ترمیم کے ذریعے جمہوریہ پاکستان کی بجائے اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھا گیا۔

4۔ آئین ______________ کے تحت صدر اور وزیر اعظم دونوں کا مسلمان ہونا ضروری ہے۔

5۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے چچا ______________ بن مطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پُر کیجیے۔

1۔ 1973ء کے آئین میں ______________ ترمیم کے تحت قرارداد مقاصد کو آئین کے متن کا حصہ بنا دیا گیا۔
(پہلی، دوسری، آٹھویں)

2۔ 1962ء کے آئین کے تحت ______________ کا مسلمان ہونا ضروری تھا۔ (صدر، وزیر اعظم، دونوں)

3۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاہلیت کے تمام خون اور انتقال باطل کر دیئے گئے، سب سے پہلے میں اپنے خاندان یعنی ______________ کا خون معاف کرتا ہوں (عبدالمطلب، ربیعہ بن حارث، زید بن حارثؓ)

4۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں یعنی ______________ اور میری سنت
(اللہ کی کتاب، نماز، ایمان)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ 1962ء کے آئین میں اسلام کو نظریہ پاکستان کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ص غ

2۔ عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل ہے۔ ص غ

3۔ رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے تیسرے سال ہی حکومت کی پیش کش کی گئی تھی۔ ص غ

4۔ محض اسلامی قانون بنا کر اسلامی ریاست قائم کی جا سکتی ہے۔ ص غ

5۔ نظام زکوٰۃ کا نفاذ 20 جون 1980ء کو ہوا۔ ص غ

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
قرار داد مقاصد	تقویٰ
قرار دادِ لاہور	عربی
عجمی	مارچ1949ء
معیارِ فضیلت	1215ء
میگنا کارٹا	مارچ1940ء

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ 1973ء کے آئین کے تحت مسلمان کی تعریف کس انداز میں کی گئی ہے؟

2۔ 1977ء کے بعد اقتصادی معاملات میں نفاذ اسلام کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟

3۔ 1977ء کے بعد عدلیہ اور قوانین کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے کیا اقدامات کیے گئے؟

4۔ خطبہ حجۃ الوداع اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے منشور کا تقابلی جائزہ لیجیے۔

5۔ حقوق کی تین اہم خصوصیات بیان کیجیے۔

6۔ 1956ء کے آئین کی تین اہم اسلامی دفعات بیان کریں۔

7۔ حقوق کی تعریف بیان کریں۔

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ قرار داد مقاصد کے اہم نکات اور اس کی اہمیت بیان کریں۔

2۔ 1956ء کے آئین اسلامی دفعات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ 1962ء کے آئین کی اسلامی شقیں بیان کیجیے۔

4۔ 1973ء کے آئین اسلامی دفعات پر روشنی ڈالیے۔

5۔ حقوق و فرائض سے انحراف کے نتائج بیان کیجیے۔

6۔ نفاذ اسلام کی راہ میں کون سی مشکلات حائل ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے؟

7۔ اقوام متحدہ کے اعلان حقوق کے اہم نکات بیان کیجیے۔

8۔ حقوق اور فرائض کی تعریف کیجیے اور دونوں کا تعلق واضح کیجیے۔

9۔ واضح کیجیے کہ کس طرح خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کا جامع منشور ہے۔

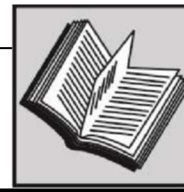

پاکستان کا انتظامی ڈھانچہ

اور اچھی حکمرانی کا تصور

پڑھیں

پاکستان کے موجودہ انتظامی ڈھانچے کی بنیاد 1973ء کے آئین پر رکھی گئی ہے۔اس آئین کے تحت پاکستان کو ایک ایسی جمہوریہ قرار دیا گیا ہے۔ جس کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک وفاقی مملکت ہے۔ جو مندرجہ ذیل چار قسم کے علاقوں پر مشتمل ہے:

1۔ چاروں صوبے، پنجاب، سندھ، خیبر پختونخواہ، بلوچستان۔

2۔ وفاقی دارالحکومت (اسلام آباد) اور اس سے ملحقہ علاقے۔

3۔ صوبہ خیبر پختونخواہ

4۔ بلوچستان اور سے ملحقہ قبائلی علاقے۔

پاکستان میں کل پانچ حکومتیں کام کرتی ہیں۔ایک مرکزی حکومت جسے وفاقی حکومت بھی کہا جاتا ہے اور چار صوبائی حکومتیں۔ ہر وفاقی نظام کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے آئین میں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم کو واضح کر دیا جائے۔ پاکستان کے آئین میں وفاقی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم دو فہرستوں کے ذریعے کی گئی۔

الف۔ **وفاقی قانون سازی کی فہرست:** اس میں وہ معاملات درج ہیں جن کے بارے میں قانون صرف پاکستان کی پارلیمنٹ بنا سکتی ہے۔اس فہرست میں درج اہم معاملات یہ ہیں۔افواجِ پاکستان، معاہدات، بینکنگ، کرنسی، زرمبادلہ، جوہری توانائی، قومی منصوبہ بندی شہریت امورِ خارجہ اور مواصلات وغیرہ۔

ب۔ **امورِ متصلہ کی فہرست:** اس فہرست میں درج معاملات پر صوبائی اسمبلیوں اور قومی پارلیمنٹ دونوں کو قانون بنانے کا اختیار ہے۔اس فہرست میں درج معاملات یہ ہیں صحت، تعلیم، فوجداری اور دیوانی قانون، اسلحہ، فیملی پلاننگ، بجلی، آبپاشی، اخبارات، زکوۃ، سیاحت، آثارِ قدیمہ وغیرہ

ج۔ ایسے معاملات جو دونوں میں سے کسی فہرست میں درج نہیں ان کو غیر متذکرہ امور کہا جاتا ہے ان پر قانون سازی کا اختیار بھی صوبائی اسمبلیوں کو دیا گیا ہے۔

وفاقی حکومت کے ادارے اور ان کے وظائف :۔

حکومت تین اہم شعبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت کے تینوں اہم شعبوں کی ساخت حسب ذیل ہے :

1۔ مقننہ :۔

یعنی قانون بنانے والا ادارہ۔ پاکستان کی وفاقی حکومت میں قانون ساز ادارے کو ''پارلیمنٹ'' کا نام دیا گیا ہے پارلیمنٹ دو ایوانوں یعنی قومی اسمبلی اور سینیٹ پر مشتمل ہے۔

پاکستان میں وفاقی حکومت کا بنایا ہوا ہر قانون ملک میں نافذ ہونے سے پہلے چار بنیادی مراحل سے گزرتا ہے۔

i۔ مسودہ کی تیاری :۔

وفاقی حکومت جو قانون نافذ کرنا چاہتی ہے اس کا ایک ڈرافٹ ماہرین سے تیار کرایا جاتا ہے۔ اس ڈرافٹ کو مسودہ قانون یا بل (Bill) کہا جاتا ہے۔ اسمبلی کے ممبران ذاتی طور پر بھی مسوداتِ قانون مرتب کر کے اسمبلی میں پیش کر سکتے ہیں۔

ii۔ مسودہ قانون کو تیاری کے بعد ایوانِ زیریں یعنی قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ قومی اسمبلی میں اس پر کئی مراحل میں بحث ہوتی ہے اگر قومی اسمبلی کے ارکان بل کو اصل یا ترمیم شدہ حالت میں منظور کر لیں تو اس کو ایوان بالا میں بھیج دیا جاتا ہے۔ مسودہ کی منظوری کے لیے قومی اسمبلی کے 3/4 حاضر ارکان کی تائید ضروری ہوتی ہے۔

iii۔ ایوان بالا یعنی سینٹ میں مسودہ پر دوبارہ بحث ہوتی ہے۔ بحث کے بعد سینٹ اس کو مسترد کر دیتی ہے یا ترمیم شدہ حالت میں یا ترمیم کے بغیر منظور کر لیتی ہے۔ دونوں ایوانوں سے منظوری کے بعد وہ بل قانون کا حصہ بن جاتا ہے۔

iv۔ پارلیمنٹ (یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ) کا منظور کیا ہوا مسودہ قانون حتمی منظوری کے لیے صدر پاکستان کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ صدر کے دستخط کے بعد مسودہ قانون یعنی بل، قانون بن کر قانون کی کتاب کا حصہ بن جاتا ہے۔ صدر پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے کسی مسودہ قانون کو مسترد نہیں کر سکتا۔ مالیاتی مسوداتِ قانون کے علاوہ تمام مسودات قانون (Bills) منظوری کے لیے قومی اسمبلی سے پہلے سینٹ میں بھی پیش کیے جا سکتے ہیں اور بعد میں قومی اسمبلی میں بھیجے جا سکتے ہیں لیکن زیادہ تر مسودات پہلے قومی اسمبلی میں ہی پیش ہوتے ہیں۔

قومی اسمبلی :۔

پاکستان کی پارلیمنٹ کا ایوانِ زیریں یعنی قومی اسمبلی 342 ارکان پر مشتمل ہے۔ قومی اسمبلی کے لیے ملک کو آبادی کے لحاظ سے قریب قریب مساوی حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر حلقے سے ووٹرز عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک ایک ممبر کا انتخاب کرتے ہیں۔ اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے شہری اپنے اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ہر صوبے کے ارکان قومی اسمبلی اپنے اپنے صوبے کے لیے خواتین کی مخصوص نشستوں پر انتخاب کرتے ہیں۔

پاکستان کاہر وہ شہری جس کی عمر کم از کم 25سال ہو قومی اسمبلی کے انتخاب میں امیدوار بن سکتاہے۔

قومی اسمبلی کے اجلاس کی صدارت کرنے والے عہدہ دار کو سپیکر کہتے ہیں۔اس کی معاونت کے لیے ایک ڈپٹی سپیکر کاانتخاب بھی کیاجاتاہے۔قومی اسمبلی کے ارکان اپنے درمیان سے وزیراعظم کاانتخاب کرتے ہیں۔وزیراعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان کاسب سے بااختیار عہدہ ہے،وہ ملکی انتظامیہ کا سربراہ ہوتاہے اور قومی اسمبلی میں اکثریتی پارٹی کے قائد کی حیثیت رکھتاہے۔صدراس کے مشورے کوماننے کاپابند ہوتاہے۔

قومی اسمبلی کاانتخاب 5سال کے لیے عمل میں آتاہے لیکن صدروزیراعظم کے مشورے سے قومی اسمبلی توڑ سکتاہے۔اس صورت میں وہ90دن کے اندراندرنئے انتخابات کرانے کاپابند ہوتاہے۔

قومی اسمبلی کے اختیارات بہت وسیع ہیں، قانون سازی میں اس کومرکزی کردار حاصل ہے۔

قومی اسمبلی ملکی مالیات کو مکمل طورپر کنڑول کرتی ہے ملک میں کوئی ٹیکس قومی اسمبلی کی منظوری کے بغیر نہیں لگایاجاسکتا۔کابینہ کاہر وزیرایک انتظامی محکمے کاسربراہ ہوتاہے۔تین چوتھائی وزراء قومی اسمبلی کے ممبر ہوتے ہیں۔ملکی انتظامیہ کے سربراہ یعنی وزیراعظم کاانتخاب بھی قومی اسمبلی کرتی ہے اس طرح قومی اسمبلی کوانتظامیہ پر مکمل کنڑول حاصل ہے۔

سینیٹ:۔

پارلیمنٹ کاایوان بالایعنی سینیٹ عوام کا نمائندہ ایوان نہیں بلکہ صوبوں کا نمائندہ ایوان ہے۔سینیٹ میں چھوٹے بڑے تمام صوبوں کی نمائندگی برابر ہے۔ہر صوبے سے سینیٹ کے ارکان کاانتخاب متعلقہ صوبے کی صوبائی اسمبلی کرتی ہے۔سینیٹ کارکن بننے کے لیے ضروری ہے کہ امیدوار کی عمر کم از کم 30سال ہواور وہ اس صوبے کارجسٹرڈ ووٹر ہو جس سے وہ سینیٹ کاممبر منتخب ہوناچاہتاہے۔سینیٹ کے ارکان سینیٹر کہلاتے ہیں اور سینیٹ کے اجلاس کی صدارت کرنے والے عہدے دار کوچیئرمین کہتے ہیں ان کی معاونت کے لیے ایک ڈپٹی چیئرمین کاانتخاب بھی عمل میں آتاہے۔

سینیٹ ایک مستقل ایوان ہے اسے پورے طور پر کبھی بھی برخاست نہیں کیاجاسکتا سینیٹ کے نصف ارکان ہر تین سال بعدریٹائر ہوتے ہیں۔

ملک میں کوئی قانون سینیٹ کی منظوری کے بغیر نافذ نہیں کیاجاسکتا۔قانون سازی کے تمام معاملات میں سینٹ کو قومی اسمبلی کے برابراختیارات حاصل ہیں تاہم مالی معاملات میں قومی اسمبلی کے اختیارات سینیٹ سے زیادہ ہیں۔صدر مملکت کی عدم موجودگی میں سینیٹ کاچیئرمین قائم مقام صدر کے فرائض سرانجام دیتاہے۔

وفاقی انتظامیہ /وزیراعظم:۔

حکومتی شعبوں کے باہمی تعلق کی نوعیت کے لحاظ سے دنیابھر میں جمہوری نظاموں کی دوبڑی اقسام ہیں، پارلیمانی اور صدارتی۔پارلیمانی نظام برطانیہ اور بھارت وغیرہ میں رائج ہیں اور صدارتی نظام کی سب سے بڑی مثال ریاست ہائے متحدہ امریکہ ہے۔پاکستان کانظامِ حکومت بھی پارلیمانی نوعیت کاہے۔پارلیمانی نظام میں مقننہ کوانتظامیہ پر بالادستی حاصل ہوتی ہے۔پاکستان میں بھی قانون سازادارہ یعنی پارلیمنٹ ہی انتظامیہ کی تخلیق کرتاہے۔قومی اسمبلی ملکی انتظامیہ کے سربراہ یعنی وزیراعظم کاانتخاب کرتی ہے۔وزیراعظم اپنی کابینہ کے تین چوتھائی وزیر قومی اسمبلی کے ارکان میں سے اور کم از کم ایک چوتھائی سینیٹ کے ارکان میں سے منتخب

کرتا ہے۔ ہر وزیر ایک انتظامی محکمے کا سربراہ ہوتا ہے۔ آئینی طور پر ملکی انتظامیہ کے سربراہ کا منصب وزیر اعظم کو حاصل ہے، صدر مملکت کا عہدہ اگرچہ وزیر اعظم سے زیادہ باوقار ہے لیکن زیادہ اختیار نہیں ہے۔ صدر کے ہر اہم فیصلے پر وزیر اعظم کی توثیقی دستخط ہونا ضروری ہیں۔

قومی اسمبلی حکومت کے خلاف عدم اعتماد کی قرارداد منظور کر کے وزیر اعظم اور اس کی کابینہ کو مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتی ہے۔

صدر:۔

صدر پروٹوکول کے اعتبار سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وفاقی حکومت کا سب سے بلند منصب ہے لیکن آئینی طور پر صدر وزیر اعظم کے مشورے کا پابند ہے۔ صدر مملکت کا انتخاب پارلیمنٹ کے دونوں ایوان (قومی اسمبلی اور سینیٹ) نیز چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ارکان مل کر کرتے ہیں۔ پارلیمنٹ سنگین بدعنوانی یا ذہنی جسمانی نااہلیت کی بناء پر صدر کو مواخذہ کے ذریعے اس کے عہدے سے برطرف کر سکتی ہے۔

ہر وہ شخص جو مسلمان ہو، قومی اسمبلی کا رکن بننے کی اہلیت رکھتا ہو اور اس کی عمر 45 سال سے کم نہ ہو اسلامی جمہوریہ پاکستان کے عہدہ صدارت کا امیدوار بن سکتا ہے۔

وزیر اعظم کے مشورے سے صدر کسی صوبے میں ہنگامی حالات نافذ کر سکتا ہے اور اس صوبے کی صوبائی اسمبلی کو معطل کر سکتا ہے، اسے سپریم کورٹ اور چاروں ہائی کورٹس کے تمام ججوں کے تقرر کے اختیارات حاصل ہیں۔ علاوہ ازیں صدر اٹارنی جنرل، چاروں صوبوں کے گورنرز، اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان، تینوں مسلح افواج کے سربراہوں نیز متعدد دیگر اہم عہدے داروں کے تقرر پر بھی صدر کے دستخط ہوتے ہیں۔

جب قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو صدر فوری ضرورت کے پیش نظر وزیر اعظم کے مشورے سے حکم نامے (Ordinance) جاری کر سکتا ہے۔ چار ماہ کی مدت تک حکم ناموں کو پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین جیسا درجہ حاصل ہوتا ہے تاہم پارلیمنٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ ان کو باقاعدہ قانون کی حیثیت سے منظور کر لے یا منسوخ کر دے۔ صدر کو قومی اہمیت کے کسی مسئلے پر ریفرنڈم کرانے کا اختیار بھی حاصل ہے۔

وفاقی عدلیہ: سپریم کورٹ

1973ء کے آئین کے تحت ملک میں سپریم کورٹ کے نام سے ایک اعلیٰ عدالت قائم کی گئی ہے جس کا دائرۂ اختیار اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حدود میں واقع تمام افراد اور اداروں تک وسیع ہے۔ سپریم کورٹ، ایک چیف جسٹس اور چند ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ چیف جسٹس کا تقرر صدر مملکت کرتا ہے باقی ججوں کا تقرر صدرِ مملکت چیف جسٹس کے مشورے سے کرتا ہے۔ سپریم کورٹ کے ججوں کو اپنے عہدے کا مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اعلیٰ عدالتی کونسل کسی سنگین بدعنوانی یا دماغی یا جسمانی نااہلیت کی بنا پر کسی جج کی برطرفی کی سفارش کر سکتی ہے۔ برطرفی کا حکم صدر جاری کرتا ہے۔ لیکن وہ اعلیٰ عدالتی کونسل کی سفارش کے بغیر کسی جج کو برطرف نہیں کر سکتا۔

صوبائی حکومتیں اور ان کے اختیارات و وظائف:۔

جیسا کہ ہم نے اس باب کے آغاز میں پڑھا، پاکستان میں ایک وفاقی حکومت کے علاوہ چاروں صوبوں میں بھی ایک ایک حکومت قائم ہے۔ ان حکومتوں کی ساخت ایک جیسی ہے البتہ صرف صوبوں کے سائز کے فرق کی وجہ اسمبلیوں کی نشستوں اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تعداد میں نمایاں فرق موجود ہے۔ ہم ان حکومتوں کی ساخت کا شعبہ وار الگ الگ جائزہ لیں گے۔

مقننہ:۔

ہر صوبے میں ہر صوبائی اسمبلی کو چھوٹے درجے میں وہی حیثیت حاصل ہے جو وفاقی سطح پر پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ صوبائی اسمبلیاں آئین میں دی گئی متصلہ اور غیر متذکرہ امور کی فہرستوں میں درج تمام معاملات پر قانون سازی کر سکتی ہیں۔ ہر صوبے کو صوبائی اسمبلی کے ارکان کی تعداد کے مطابق حلقوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ ہر حلقے سے ووٹرز عام بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایک ممبر کا انتخاب کرتے ہیں۔ صوبائی انتظامیہ کا سربراہ وزیر اعلیٰ کہلاتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کا انتخاب صوبائی اسمبلی کے ارکان کی قطعی اکثریت سے عمل میں آتا ہے۔ وزیر اعلیٰ مختلف صوبائی محکموں کا انتظام چلانے کے لیے صوبائی اسمبلی کے ارکان میں سے اپنے وزراء کا انتخاب کرتا ہے۔ وزیر اعلیٰ اپنے وزراء سمیت صوبائی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہے۔ صوبائی اسمبلی وزیر اعلیٰ اور اس کی کابینہ کے خلاف عدم اعتماد کی قرار داد منظور کر کے حکومت کو مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتی ہے۔

انتظامیہ: وزیر اعلیٰ اور گورنر

صوبائی انتظامیہ کا سربراہ وزیر اعلیٰ کہلاتا ہے۔ وزیر اعلیٰ کی صوبے میں وہی حیثیت ہے جو وفاق میں وزیر اعظم کی ہے۔ وزیر اعلیٰ کابینہ کی مدد سے صوبائی حکومت کا انتظام چلاتا ہے۔ ہر صوبے کا آئینی سربراہ گورنر کہلاتا ہے۔ ہر صوبے میں گورنر کو وہی حیثیت حاصل ہے جو وفاق میں صدرِ مملکت کو حاصل ہے۔ چاروں صوبوں کے گورنروں کا تقرر صدرِ مملکت کرتا ہے۔ آئین صدر کو اس بات کا پابند بناتا ہے کہ وہ گورنروں کا تقرر کرتے وقت وزیر اعظم سے مشورہ لے۔ گورنر صوبے میں وفاقی حکومت کے نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ صدر وجہ بتائے بغیر گورنر کو اس کے عہدے سے برطرف کر سکتا ہے۔ صوبائی اسمبلی کا منظور کیا ہوا مسودہ قانون گورنر کے دستخط کے بعد ہی قانون کی کتاب کا حصہ بنتا ہے۔ البتہ گورنر کو صوبائی اسمبلی کے منظور کئے ہوئے کسی مسودہِ قانون کو مطلقاً مسترد کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ صدر کی طرح عبوری مدت کے لیے گورنر بھی آرڈی ننس جاری کر سکتا ہے تاہم اس کا دائرہ اختیار صوبے کی حدود تک محدود ہو گا۔ صوبائی اسمبلی آرڈی ننس کو منظور کر کے قانونی حیثیت دے سکتی یا مسترد کر سکتی ہے۔

صوبائی عدلیہ: ہائی کورٹ:۔

آئین کے تحت اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چاروں صوبوں میں ایک ایک ہائی کورٹ قائم کی گئی ہے جو سپریم کورٹ کی نگرانی میں کام کرتی ہے۔ ہر ہائی کورٹ ایک چیف جسٹس اور چند ججوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہائی کورٹس کو مقدمات کی ابتدائی سماعت، اپیل سننے اور اور توہین عدالت کے مقدمات کی سماعت کے علاوہ اپنے صوبے کے گورنر اور صوبائی حکومت کو قانونی مشورہ دینے کے اختیارات بھی حاصل ہیں۔ ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جا سکتی ہے۔

ڈیوولیوشن پروگرام کے تحت قائم شدہ مقامی حکومتیں

چیف آف آرمی اسٹاف جنرل پرویز مشرف 12 اکتوبر 1999ء کو سیاسی حکومت کو برطرف کر کے برسرِ اقتدار آئے اور چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے ملک کا اقتدار سنبھال لیا۔ جنرل پرویز مشرف نے سن 2001ء ملک میں Devolution of Powers and Responsibility Plan کے نام سے مقامی حکومت کا ایک نیا نظام متعارف کرایا۔ اس کی بنیادی روح جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اختیارات اور ذمہ داریوں کو معاشرے کی سب سے نچلی سطح Grass-Root Level تک پہنچانا اور عوام کو امور حکومت میں شریک کرنا ہے۔

ڈیولیوشن پلان مقامی حکومت کے ایک چار درجاتی نظام پر مشتمل ہے۔ چار درجات حسب ذیل ہیں:

1۔	یونین کونسل	2۔	سٹی ڈسٹرکٹ
3۔	تحصیل کونسل	4۔	ضلع کونسل

یونین کونسل:۔

یونین کونسل کا انتخاب ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر براہ راست انتخاب کے ذریعے تین سال کی مدت کے لیے عمل میں آئے گا۔ یونین کونسلوں کی حد بندی کرتے ہوئے کوشش کی جائے گی کہ ان کی آبادی قریب قریب برابر ہو۔ یہ یونین کونسل 21 منتخب ارکان پر مشتمل ہو گی جن کو درج ذیل تقسیم کے مطابق منتخب کیا جائے گا۔

ناظم	1
نائب ناظم	1
مسلم (مرد) ارکان	8
مسلم (خواتین) ارکان	4
مزدور کسان (مرد) ارکان	4
مزدور کسان (خواتین) ارکان	2
اقلیتی رکن	1
میزان =	21

اگر کسی یونین کونسل میں اقلیتوں کی تعداد 10 فیصد بڑھ جائے تو صوبائی حکومت نشستوں کی تقسیم کے فارمولے پر نظر ثانی کرے گی۔

اختیارات و وظائف:۔

یونین کونسل کے فرائض مندرجہ ذیل ہوں گے۔

1۔ مقامی سطح پر ترقیاتی کاموں کی نگرانی اور بجا آوری۔

2۔ فنڈز اکٹھا کرنے کے لیے ٹیکس لگانا۔

3۔ سالانہ ترقیاتی پروگرام تیار کرنا اور ان کو اپنی قلمرو میں روبہ عمل میں لانا۔

4۔ دیوانی، فوجداری اور خاندانی تنازعات کے حل کے لیے مصالحتی ادارے کی حیثیت سے کام کرنا۔

تحصیل کونسل:۔

تحصیل کونسل میں براہ راست منتخب شدہ ناظم، ایک نائب ناظم اور تحصیل کی تمام یونینوں کے نائب ناظمین شامل ہوں گے۔

تحصیل انتظامیہ:۔

تحصیل ناظم تحصیل گورنمنٹ کا سربراہ ہوگا۔ تحصیل میونسپل آفیسر (TMO) تحصیل انتظامیہ میں رابطہ کار کے فرائض انجام دے گا۔ چار تحصیل آفیسر (TO)، مالیات، بجٹ، زمین کے استعمال، کنٹرول اور شہری دیہی منصوبہ بندی کے مسائل TMO کو رپوٹ دیں گے۔ اور اس کے فرائض کی بجاآوری میں معاونت کریں گے۔

وظائف:۔

1۔ تحصیل کی حدود میں میونسپل سروسز کی فراہمی۔

2۔ ضلعی حکومت کے عہدیداروں کے درمیان ارتباط اور ان کے کام کی نگرانی۔

3۔ تحصیل کے تمام دیہات میں زمین کے کنٹرول اور ماسٹر پلاننگ کے ذریعے ترقیاتی کام۔

4۔ شہری علاقوں کی توسیع اور دیہی علاقوں کے شہروں میں تبدیل ہونے عمل کو روکنا۔

5۔ کسی تحصیل علاقے کے شہری علاقے میں تبدیل ہونے کی صورت میں اس کا درجہ بڑھا کر اسے سٹی ڈسٹرکٹ بنانا اور سٹی ڈسٹرکٹ کو آبادی کی بنیاد پر متعدد ٹاؤنز میں تبدیل کرنا۔

ضلع کونسل (ضلعی حکومت):۔

ضلعی حکومت میں ضلع ناظم، ضلع نائب ناظم اور ضلع کونسل کے ارکان شامل ہیں۔

ضلع ناظم ضلع کونسل کا ممبر نہیں ہوگا، تاہم نائب ناظم ضلع کونسل کا سپیکر ہوگا۔ ضلع ناظم ضلعی انتظامیہ کا سربراہ ہوگا۔ پولیس اس کے سامنے جوابدہ ہوگی اور وہی اسے کنٹرول کرے گا۔ اس نظام کا مقصد بیوروکریسی کو عوامی نمائندوں کے تابع بنانا ہے۔

انتخابات:۔

تمام یونین ناظمین ضلع کونسل میں اپنی اپنی یونین کونسلوں کی نمائندگی کریں گے۔ وہ ضلع کونسل کے مستقل رکن ہوں گے۔ ضلع کونسل کی عام نشستیں ضلع کی یونین کونسلوں کی تعداد کے مساوی ہوگی۔ یونین کونسلر محفوظ نشستوں کے لیے ممبران کا انتخاب کریں گے۔ محفوظ نشستوں کی تقسیم کا فارمولا حسب ذیل ہے:

خواتین	33فیصد
مزدور کسان	5فیصد
اقلیتیں	5فیصد

ضلع ناظم اور نائب ناظم کا انتخاب مشترکہ امیدواروں کے طور پر عمل میں آئے گا۔ ان کو ضلع کے یونین کونسلر منتخب کریں گے۔ امیدوار کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ کم از کم میٹرک پاس ہو۔

ضلع ناظم:

ڈیوولیوشن پلان کے تحت ضلع ناظم کا عہدہ ایک بہت ہی بااختیار اور باوقار سیاسی اور انتظامی عہدہ بن کر سامنے آیا ہے۔ صوبے کی ثقافتی اور اقتصادی سرگرمیوں کے محور اور مرکز کی حیثیت سے اسے ضلعی انتظامیہ کو کنٹرول کرنے کے مکمل اختیارات حاصل ہیں۔ ضلع کا سالانہ بجٹ اس کی رہنمائی میں تیار ہوتا ہے۔ ضلع میں تمام ترقیاتی پروگراموں کی تیاری اور ان پر عمل درآمد کی نگرانی وہی کرتا ہے تاہم ضلع ناظم ضلع کونسل کا ممبر نہیں ہوتا۔

ضلع نائب ناظم:۔

ضلع نائب ناظم ضلع کونسل کا سپیکر ہوتا ہے اور ضلع کونسل اور ضلع ناظم کے درمیان رابطہ کار کے فرائض انجام دیتا ہے۔ ضلع ناظم کی غیر موجودگی میں نائب ناظم اس کے قائم مقام کی ذمہ داریاں نبھاتا ہے۔

ضلع کونسل اور ضلع ناظم کے وظائف

متعلقہ قانون سازی:۔

ٹیکس کے نظام کو چلانا اور اس میں ردوبدل کرنا، نئے ٹیکس عائد کرنا۔

مقامی حکومت کے ماتحت اداروں کے لیے قوانین و ضوابط وضع کرنا۔ (صوبائی اسمبلی ضلع کونسل کے بنائے ہوئے کسی ضابطے یا قانون کو منسوخ کرنے کا اختیار حاصل ہے، وہ اس کے کسی بھی حکم کو کالعدم کر سکتی ہے)۔

انتظامیہ:۔

- ضلع ناظم ضلعی پولیس اور ضلعی انتظامیہ کا انتظامی سربراہ ہوگا۔ اور یہ ادارے اس کی مرضی کے مطابق کام کرنے کے پابند ہونگے۔
- ضلع کونسل ضلعی انتظامیہ کی کارگزاری کا جائزہ لینے کے لیے متعدد کمیٹیاں قائم کرے گی۔
- تمام ڈویژن توڑ دیئے گئے ہیں اور ضلع کو ہی اصل انتظامی اکائی قرار دیا گیا۔

سٹی ڈسٹرکٹ:۔

اگر ایک تحصیل کا حلقہ آبادی میں اضافے کے باعث دیہی علاقے سے شہری علاقے میں بدل جائے اور اس وجہ سے اس کے لیے اپنے فرائض کی انجام دہی ممکن نہ رہے تو اس کا درجہ بڑھا کر اسے سٹی ڈسٹرکٹ بنا دیا جائے گا۔ سٹی ڈسٹرکٹ کو متعدد ٹاؤنز میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ یہ تقسیم آبادی کی بنیاد پر ہوگی۔

ضلعی پولیس:۔

ڈیولیوشن یعنی اختیارات کی نچلی سطح تک منتقلی کے تصور کے تحت امن عامہ صوبائی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ صوبائی حکومت ضلع میں امن وامان کے قیام کے لیے پولیس فورس مہیا کرے گی۔ لیکن یہ پولیس فورس ضلعی حکومت کی نگرانی میں کام کرے گی۔ پولیس افسران کے تقرر اور بر طرفی کے سلسلے میں ضلعی انتظامیہ کو وسیع اختیارات تفویض کئے گئے ہیں۔ پولیس کی نگرانی کے لیے فعال اور بااختیار شہری کمیٹیاں تشکیل دینے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

ضلعی عدالتی نظام:۔

ڈیوولیشن پلان 2001 میں عدل کے مندرجہ ذیل نئے تصورات واہداف کی نشاندہی کی گئی ہے:

- فوری انصاف۔
- گھر کے دروازے پر انصاف
- مقدمہ بازی شروع ہونے سے پہلے اس کے اسباب کا خاتمہ
- عدلیہ کی مرکزیت کا خاتمہ
- تحصیل کی سطح پر معمولی معاملات نمٹانے والی عدالتوں کا قیام اور عدالتی نظام کا عمودی کی بجائے افقی پھیلاؤ۔
- عورتوں کے لیے خصوصی عدالتوں کا قیام

سٹیزن کمیونٹی بورڈ:۔

انتہائی نچلی سطح پر عوام کی امور حکومت میں شمولیت کو ممکن بنانے کے لیے سٹیزن کمیونٹی بورڈز کا تصور دیا گیا ہے۔ یہ بورڈز گورنمنٹ کے ہسپتالوں، بنیادی مراکز صحت نیز تعلیمی اور دیگر عوامی فلاح کے اداروں کے معاملات کو چلائیں گے۔

خواندگی اور انفرامیشن ٹیکنالوجی:۔

ڈیوولیوشن پلان 2001ء میں کمپیوٹر کی تعلیم کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ ضلعی حکومت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خواندگی اور انفرامیشن ٹیکنالوجی کے فروغ کے لیے کام کرے۔

پبلک سروسز کی تنظیم نو:۔

ڈویژنل کمشنر (جسے پہلے کمشنر کہا جاتا تھا) کا عہدہ اب ختم کر دیا گیا ہے۔

- ڈپٹی کمشنر کے عہدے کی جگہ ڈی سی او (ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن آفیسر) کا عہدہ تخلیق کیا گیا ہے۔ ضلعی حکومت کے ہر محکمے کا سربراہ ایک ایگزیکٹو آفیسر ہوگا۔ ان محکموں کی تعداد 12 سے نہیں بڑھنی چاہیے۔

- مال اور مجسٹریسی کے محکمے ایک دوسرے سے الگ کر دیئے گئے ہیں ان کے سر براہ دوالگ الگ ایگزیکٹو آفیسر ہوں گے (برطانوی نظام میں جواب تک پاکستان میں رائج تھاڈپٹی کمشنر بیک وقت ڈی ایم یعنی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور ریونیو کلکٹر ہوتا تھا)۔
- صوبائی حکومت افسران کاایک پینل ضلع ناظم کے سامنے پیش کرے گی اور وہ اس پینل میں سے ڈی سی او، ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر اور دیگر ایگزیکٹوافسران کاانتخاب کرے گا۔

ضلعی محتسب:۔

ضلعی سطح پر محتسب کا محکمہ تخلیق گیاگیاہے۔ محتسب کافرض ہو گا کہ وہ عوامی شکایات کاازالہ کرے۔

اچھی حکمرانی کااسلامی تصور

ایک اسلامی ریاست میں شہری اور ریاست کے درمیان تعلقات کو اس نہج پر استوار کیا جاتاہے کہ نہ تو فرد کی شخصیت دباؤ کا شکار ہو کر مسخ ہو جائے اور نہ حکومت اتنی بے لگام ہو جائے کہ وہ آمریت کی راہ پر چل پڑے۔ اسلام ایک ایساسیاسی کلچر پیدا کرناچاہتاہے جس میں ریاست کے مقاصد اور افراد کی تمناؤں کے درمیان مکمل توازن قائم ہو۔ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے اسلامی حکمرانی کے درج ذیل اصول بیان کرتاہے:

سربراہ ریاست کاانتخاب لوگوں کی رائے سے عمل میں آناچاہیے اور اسے اپنے تقویٰ اور علم کی معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے ممتاز ہوناچاہیے۔قرآن حکیم میں ارشاد خداوندی ہے:

> " اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ قابل احترام وہ ہیں جو تقویٰ میں سب سے بڑھے ہوں۔"(49:13)

- ریاست کے تمام اداروں کو قانون کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے اور قانون کی نظر میں تمام شہریوں کو برابر ہوناچاہیے۔
- شہریوں کے مابین رنگ، نسل، زبان، مقام سکونت، عقیدہ اور مردوزن کی تخصیص کی بناء پر کوئی امتیاز روا نہیں رکھاجاناچاہیے۔
- تمام شہریوں کے بنیادی معاشرتی، سیاسی اور مذہبی حقوق محفوظ ہونے چاہئیں۔تمام شہریوں کو بلاامتیاز آزادی کی نعمتوں سے بہرہ مند ہونے کاموقع ملناچاہیے۔
- سود پر پابندی ہونی چاہیے۔دولت کی ذخیرہ اندوزی کی حوصلہ شکنی ہونی چاہیے۔
- حکومت کو چاہیے کہ وہ زکوٰۃ، عشر، خمس اور صدقات وغیرہ جمع کرے اور مساکین اور اہل ضرورت تک پہنچائے۔
- ریاست کی یہ ذمہ داری ہونی چاہیے کہ وہ تمام شہریوں کو ضروریات زندگی کی فراہمی یقینی بنائے۔بنیادی ضروریات زندگی میں خوراک، لباس، رہائش، صحت نیز بڑھاپے وغیرہ کے تحفظات شامل ہیں۔

- ایک اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ سب کے ساتھ بلا امتیاز انصاف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور تمام مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر حالت میں عدل سے کام لیں۔ قرآن حکیم میں اللہ کا ارشاد ہے:

> ''کسی قوم کی نفرت تمہیں اس بات پر مجبور نہ کردے کہ تم انصاف سے باز رہو۔ انصاف سے کام لو کہ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔''(5:8)

- ایک اسلامی حکومت کو تمام برائیوں کی حوصلہ شکنی کرنی چاہیے۔ مثلاً جھوٹ، عہد شکنی، غیبت، منافقت بہتان، اسراف اور بخل، حرص، رشوت، غصب، چوری، ڈاکہ، ناپ تول میں کمی بیشی، شراب نوشی، جواء، گھمنڈ، غرور اور منافقت، ریا وغیرہ
- ریاست کو خیر کے فروغ کے لیے ترغیب، تعلیم اور تبلیغ کے ذرائع استعمال کرنے چاہئیں۔ یتیموں، بیواؤں اور محتاجوں کی دیکھ بھال بیت المال سے کی جانی چاہیے۔ عصمت وعفت، عزتِ نفس، رحم اور انسانی ہمدردی، عفوودرگزر، حسنِ معاملہ، تواضع، حسنِ کلام، نرمی، اخوت، اعتدال اور ہمدردی کی صفات شہریوں میں پیدا کرنا ایک اسلامی حکومت کے فرائض میں شامل ہیں۔
- اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ تمام شہریوں کو لازمی اور مفت تعلیم فراہم کرے اور اس تعلیم کا دائرہ بنیادی خواندگی سے لے کر علوم اسلامیہ، لسانیات اور سائنسی اور عمرانی علوم کی اعلیٰ ترین سطح کی تعلیم تک وسیع ہو۔
- اسلامی حکومت کا فرض ہے کہ وہ امن وامان کا ایک نہایت اعلیٰ معیار قائم کرے۔ مجرموں کو سخت ترین سزائیں دے۔ ایک اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے حقوق مسلمان شہریوں کے برابر اور بعض معاملات میں ان سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ (مثلاً وہ لازمی فوجی خدمت سے مستثنیٰ ہوتے ہیں)۔ غیر مسلموں کو اپنے کلچر، زبان، شخصی قانون، عبادت گاہوں اور مذہبی اداروں کے تحفظ کا حق ملنا چاہیے۔ کسی شخص کو کوئی ایسا ٹیکس ادا کرنے پر مجبور نہیں کیا جانا چاہیے جو کسی ایسے مذہب کی تبلیغ واشاعت کے لیے خرچ ہونے والا ہو جس پر وہ خود عمل نہیں کرتا۔
- ایک اسلامی ریاست محض امن وامان قائم رکھنے کے لیے وجود میں نہیں آتی۔ اس کا مقصد اس سے بلند تر ہے اور وہ مقصد اپنے شہریوں کی اخلاقی اور روحانی ترقی کے لیے کام کرنا ہے۔ ایک اسلامی حکومت اپنے شہریوں کو ایسی زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھاتی ہے جس کا انجام آخرت کی نجات ہو۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ''وہ لوگ (مسلمان) ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں غلبہ اور حکومت عطا کریں تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں۔ بیشک تمام چیزوں کا انجام اور آخری فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔''(2:2:4)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظام حکومت

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اگست 634ء میں منصب خلافت پر فائز ہوئے اور دس سال حکومت کرنے کے بعد 644ء میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار تاریخ انسانی کے عظیم ترین فاتحین اور حکمرانوں میں ہوتا ہے۔ان کی سلطنت کا رقبہ 58 لاکھ مربع کلو میٹر تک تھا۔ (موجودہ پاکستان سے سات گنا بھی زیادہ) تاہم دنیا کے حکمرانوں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا امتیاز ان کی سلطنت کی وسعت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس بے مثل نظم حکومت کی وجہ سے ہے جو انہوں نے اپنی مملکت میں قائم کیا اور پھر پوری دنیا میں اس کی پیروی کی گئی۔

رہنما اصول

1۔احساسِ ذمہ داری:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ منصب حکومت مفادات کے حصول کا ذریعہ نہیں بلکہ ذمہ داری اور خدمت کا مقام ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا نام اپنے جانشین کے طور پر تجویز کیا اور لوگوں نے اس کی توثیق کر دی تو حضرت عمرؓ نے اپنی تقریر میں فرمایا:

"اے لوگو اگر مجھے حضرت ابو بکرؓ کی نافرمانی کا خوف نہ ہوتا تو میں کبھی تمہارا امیر اور حاکم بننا پسند نہ کرتا۔"

2۔جذبہ خدمت:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکمرانی کے وہ اصول قائم کئے جن کے تحت حکمرانی کا منصب مملکت کے سب سے زیادہ خدمت گزار شخص کا منصب بن جاتا ہے۔ایک مرتبہ جب سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیت المال کے بھاگے ہوئے اونٹ صحرا سے پکڑ کر لائے اور گرمی سے بے حال ہو گئے تو ایک صحابیؓ نے کہا کہ امیر المومنین یہ کام تو غلام بھی کر سکتا تھا،اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا"مجھ سے بڑا غلام کون ہے"۔

3۔کفالت:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قائم کی ہوئی حکومت میں انسانی فلاح کا تصور اپنے عروج کو پہنچ گیا۔ان کا یہ قول آج بھی زبان زدِ عام ہے کہ "اگر دجلہ کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو اس کا حساب بھی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا جائے گا۔انہوں نے بیت المال سے یتیموں،بیواؤں اور محتاجوں کے وظائف مقرر کیے۔بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے لیے دودھ کا وظیفہ بیت المال سے مقرر ہو جاتا تھا۔

4۔مساوات:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نظم حکومت کی سب سے نمایاں خصوصیت مساوات کا وہ اعلیٰ ترین خورد و نوش معیار تھا جو انہوں نے اسلامی ریاست کے شہریوں کے درمیان قائم کیا۔ مدینہ میں قحط پڑا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے جس جس کے پاس جو سامانِ خورد و نوش تھا اس کو بیت المال میں جمع کر لیا گیا۔ تمام لوگوں کا کھانا ایک جگہ پکتا اور اجتماعی دستر خوان پر کھایا جاتا۔ معذوروں اور خواتین کا کھانا ان کے گھروں میں بھیجا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

خود روغن اور گھی کے استعمال سے مکمل پرہیز کا فیصلہ کیا وہ سوکھ کر کانٹا ہو گئے اور ان کی جلد سیاہ پڑ گئی۔ خلیفہ اور ان کے گھر والوں کا حصہ اجتماعی کھانے میں سب کے بعد اور سب سے کم تھا۔ جب ان سے کہا گیا کہ وہ شہری بچوں کا روزینہ دیہاتی بچوں سے زیادہ کر دیں کیونکہ دیہاتی بچے سخت جان اور بھوک پیاس کے عادی ہوتے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یہ بلا آسمان سے سب پر برابری اتری ہے اور سب کو مل کر اس کا بوجھ برابر بانٹنا ہے"۔

آذر بائیجان کے گورنر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمدہ حلوے کا ایک مرتبان بھیجا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو چکھا، پسند کیا اور پوچھا کیا وہاں سب لوگ یہی حلوہ کھاتے ہیں، جواب ملا کہ نہیں یہ تو امراء کی خوراک ہے۔ حضرت عمرؓ نے مرتبان وہین بند کر کے واپس کر دیا اور فرمایا کہ جو چیز عام آدمی کی رسائی سے باہر ہو مسلمانوں کے امیر کا بھی اس پر کوئی حق نہیں۔

جب حضرت عمر وابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فسطاط کے نام سے ایک نئ فوجی چھاؤنی قائم کی تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ میں نے ایک گھر امیر المومنین کے لیے بھی بنوایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ڈانٹ کر لکھا کہ حجاز میں رہنے والے ایک شخص کا مصر میں گھر کیا معنی؟ اس گھر کو کسی فلاحی خدمت کے لیے وقف کر دو۔

5۔احتساب:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر لمحہ اس بات کے لیے تیار رہتے کہ عام لوگ ان کا محاسبہ کر سکیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی سے یہ اصول اخذ کیا تھا کہ اگر مسلمانوں کا امیر یا اس کے اہل خانہ کسی جرم کا ارتکاب کریں تو ان کو اس کی دہری سزا دی جائے۔

انہوں نے اپنے بیٹے پر شراب نوشی کی دوہری حد نافذ کی۔ وہ اپنے گورنروں کا بھی سختی سے محاسبہ فرماتے تھے۔ ہر عہدے دار کو مقرر کرتے وقت اس کی جائیداد کی فہرست لے کر اس پر چار گواہوں سے دستخط ثبت کراتے۔ گورنر کا تقرر چار شرائط کے تحت عمل میں آتا تھا۔

1۔ ترکی گھوڑے پر (جو شان وشوکت کی علامت تھا) نہ بیٹھے گا۔

2۔ باریک (یعنی قیمتی) کپڑا نہ پہنے گا۔

3۔ چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔

4۔ دروازے پر دربان مقرر نہیں کرے گا۔

عام آدمی کسی بڑے عہدے دار کے خلاف شکایت کر سکتا تھا، جرم ثابت ہونے پر اسے سخت سزا دی جاتی اور اکثر معزول بھی کر دیا جاتا۔

6۔عدل اور قانون کی بالادستی:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسا نظام عدل قائم کیا جو قانون کی بالادستی کے تمام تقاضوں کو بطریق احسن پورا کرتا تھا۔ قاضی کے منصب پر نہایت دیانت دار اور متقی لوگوں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ ان کو بھاری تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ قانون کی نظر میں سربراہ مملکت سے لے کر ادنٰی شہری تک ہر ایک کو مساوی درجہ حاصل تھا۔ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو خود مدعی بن کر عدالت میں پیش ہونا پڑا۔ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو قاضی تھے خلیفہ ہونے کی وجہ سے آپ کی تعظیم

کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا'' یہ تمہارا پہلا ظلم ہے''اور جا کر خود مدعاعلیہ کے پاس بیٹھ گئے۔ جب قاضی نے حضرت عمرؓ کے مرتبے کا احساس کرتے ہوئے ان سے قسم لینے میں تامل کیا تو اس تو حضرت عمرؓ نے فرمایا! جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر نہ ہوں تو تم جج کے منصب کے اہل نہیں ہو سکتے۔''

7۔آزادی اظہار:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں یہ تاثر عام ہے کہ وہ بہت سخت گیر انسان تھے۔ بلاشبہ وہ قانون کے نفاذ اور بیت المال کی حفاظت کے بارے میں بہت سخت گیر تھے۔ لیکن جہاں تک آزادی اظہار اور مشاورت کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی انسان ان سے زیادہ مشورہ کرنے والا نہیں تھا۔ جب مجمع عام میں ایک شخص نے ان کے کرتے کی لمبائی کے بارے میں یہ سوال اٹھایا تو ایک اور شخص نے اعتراض کرنے والے کو ٹوکنا چاہا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہیں تو اس کو کہنے دو۔ '' اگر لوگ ہم پر تنقید نہ کریں تو وہ کسی کام کے نہیں اور اگر ہم ان کی بات نہ سنیں تو ہم کسی کے کام کے نہیں''۔

8۔جمہوریت:۔

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ایک جمہوری ریاست کے بنیادی اصول قائم کر دیئے۔ انہی اصولوں کی بنیاد پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور حکومت میں ایک عالمگیر جمہوری ریاست کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہوئی۔ یہ وہ ریاست تھی جس سے پوری دُنیا نے جمہوریت کا سبق سیکھا۔ فرانسیسی فلسفی روسو (Rousseaus) کی کتاب '' معاہدہ عمرانی'' مغربی دُنیا میں جمہوریت کا نقش اول سمجھی جاتی ہے۔ روسو نے اپنی اس کتاب کا آغاز جس فقرے سے کیا اس میں واضح طور پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول کی بازگشت سنائی دیتی ہے جو انھوں نے ایک گورنر کو تنبیہ کے طور پر لکھا تھا انسانوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا تھا تم نے انھیں غلام کیسے بنالیا۔ روسو نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ اور آنجناب کے خلفاء کو جمہوریت کا نقیب مانا ہے۔ ہندوستان کے عظیم رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ رام راجیہ (الٰہی حکومت) کی بات کرتے تھے جب ان سے کسی نے پوچھا کہ رام جیہ کیسی حکومت ہو گی تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت کو دیکھ لو رام جیہ کا نقشہ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔

9۔اقلیتوں کے حقوق:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر مسلموں سے حسنِ سلوک ایک ایسا موضوع ہے جس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ شام میں مسلمان ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے ایک عیسائی کا مکان اس تعمیر میں حائل تھا۔ مسلمانوں نے اس سے کہا کہ وہ اسے فروخت کر دے اس نے انکار کر دیا مسلمانوں نے اسے زبردستی ڈھا دیا اور مسجد میں شامل کر دیا۔ حضرت عمرؓ کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے حکم دیا کہ مسجد کے اس حصے کو جس میں اس عیسائی کا مکان شامل کیا گیا ہے مسمار کیا جائے اس پر مکان تعمیر کر کے مالک کو دیا جائے۔ کہتے ہیں یہ مکان اب بھی عمرؓ کے عدل اور رواداری کی زندہ شہادت کے طور پر موجود ہے۔

نظم ونسق:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی بار ایسا نظم مملکت قائم کیا جو ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے اور آج بھی دنیا کی مہذب اور ترقی یافتہ ریاستوں میں جو کامیاب حکومتی ماڈل کام کر رہے ہیں ان کی بہت سی باتیں حضرت عمرؓ کے حکومتی ماڈل سے مستعار لی گئی ہیں۔

مردم شماری:۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مردم شماری کرانے والے پہلے حکمران تھے۔

ملکی تقسیم:۔

خلافتِ فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اسلامی مملکت کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔

عمال یا گورنروں کا تقرر:۔

ہر صوبے میں ایک عامل مقرر کیا گیا، جو تمام لوگوں اور امیر المومنین کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔

صاحب الخراج کا تقرر:۔

ہر صوبے میں مالگزاری اور حسابات کا ریکارڈ رکھنے کے لیے صاحب الخراج یعنی ٹیکس کلکٹر مقرر کئے گئے۔

صاحب الاحداث:۔

پولیس کا باقاعدہ محکمہ قائم کیا گیا پولیس کے اعلیٰ افسر کو صاحب الاحداث کا نام دیا گیا۔

کاتب:۔

ہر صوبے میں حکومتی امور کا ریکارڈ رکھنے کے لیے ایک کاتب مقرر کیا جاتا تھا جس کا مرتبہ موجودہ دور کے سیکرٹری کے برابر تھا۔

صاحب بیت المال:۔

بیت المال کا حساب کتاب رکھنے والا افسر یا وزیر خزانہ صاحب بیت المال کہلاتا تھا۔

قاضی:۔

ہر صوبے میں ایک چیف جسٹس مقرر کیا جاتا تھا جسے قاضی کہا جاتا تھا۔

دیوان (سیکرٹریٹ):۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوج کی تنخواہوں اور شہریوں نیز مجاہدین کے وظائف کا حساب رکھنے کے لیے ایک سیکرٹریٹ مقرر کیا جسے دیوان کا نام دیا گیا۔

فوج:۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک باضابطہ فوج (Standig Army) قائم کی اور اس میں مختلف عہدے قائم کیے۔

فوجی چھاؤنیاں:۔

حضرت عمرؓ کے دور میں پہلی مرتبہ مستقل فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں جن کو ''جند'' کہا جاتا تھا۔ ان میں یہ قابل ذکر ہیں، فسطاط، بصرہ، کوفہ، دمشق، موصل، حمص، اردن، فلسطین اور مدینہ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں افتاء حدود و تعزیرات کے محکمے قائم کئے گئے تھے، محکمہ ڈاک اور ٹیکس قائم کئے گئے۔ اہم مقامات پر مساجد اور مدارس کی تعمیر کی گئی۔ نئی سڑکی بنائی گئیں۔

ڈیوولیوشن پلان اور اچھی حکمرانی

توقعات اور اہداف:۔

جیسا کہ ہم پہلے مطالعہ کر چکے ہیں جنرل پرویز مشرف نے سن 2001ء میں Devolution of Power and Responsibility Plan کے نام سے مقامی حکومت کا ایک منصوبہ پیش کیا جس کی کامیابی کی صورت میں معاشرے میں انقلابی تبدیلیوں کی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس منصوبے کے درج ذیل اہداف بیان کئے گئے ہیں:

1۔ قوم کے اعتماد کو بحال کرنا اور قوم میں حوصلہ مندی پیدا کرنا۔

2۔ وفاق کو مضبوط بنانا، صوبوں کے درمیان عدم توازن کو دور کرنا۔

3۔ سرمایہ کاروں کے اعتماد کو بحال کرنا۔

4۔ قانون کی عملداری بحال کر کے امن وامان قائم کرنا اور فوری انصاف کی فراہمی کو یقینی بنانا۔

5۔ ریاست کے اداروں سے سیاست کا خاتمہ کرنا۔

6۔ حکومتی اختیار کو سب سے نچلی سطح Grass Root Level تک پہنچانا۔

7۔ تیز رفتار احتساب کو یقینی بنانا ایسا احتساب جو دیکھا اور محسوس کیا جاسکے۔

اچھی حکمرانی کے راستے میں حائل رکاوٹیں

اچھی حکمرانی کا براہ راست تعلق اچھی شہرت سے ہے۔ اچھی حکمرانی ایک مضبوط اور مستحکم سیاسی کلچر میں ہی جنم لیتی ہے۔ اچھی حکمرانی کی راہ میں حائل بڑی رکاوٹیں درج ذیل ہیں:

1۔ بری شہریت (Bad Citizenship)

2۔ جہالت اور علم سے محرومی

3۔ غربت

4۔ جنگ اور تشدد کا کلچر

5۔ جبر پر مبنی سیاسی نظام

6۔ کرپشن اور بددیانتی پر مبنی معاشرتی نظام

7۔ احتساب کا نہ ہونا

کسی سیاسی کلچر کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے کوئی کرشماتی طریقہ موجود نہیں۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ کسی بگڑے ہوئے سیاسی نظام کی اصلاح پلک جھپکنے میں ہو جائے۔ اچھی حکمرانی کا مسئلہ سادہ اور آسان نہیں بلکہ گنجلک اور پیچیدہ ہے، یہ بہت سے چھوٹے چھوٹے مسائل کا مجموعہ ہے۔ جہالت تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔ جہالت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک تعلیم عام نہ ہو۔ لیکن ایک غریب معاشرہ اپنے شہریوں کو تعلیم کہاں سے دے گا، خود غربت ایک اتنا بڑا شر ہے جس کی کوکھ سے بے شمار شر جنم لیتے ہیں، اسی سے تشدد پیدا ہوتا ہے، اسی بیج سے کرپشن اور معاشرتی انتشار کی فصل اگتی ہے۔ غریب لوگ اپنے معمولی اور چھوٹے چھوٹے مفادات کے لیے خود غرض سیاستدانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن جاتے ہیں۔

ٹیکنالوجی کی ترقی کے نتیجے میں جنگ ایک بہت مہنگا سودا بن گئی ہے۔ دنیا کی امیر ترین قومیں بھی جدید جنگ کی قیمت ادا نہیں کر سکتیں۔ پاکستان اور بھارت جیسے غریب ملک تو کس شمار میں ہیں۔ جرمنی کا لیڈر اڈولف ہٹلر جسے دنیا کے بے رحم جنگجوؤں کی فہرست میں نمایاں ترین مقام حاصل ہے اور جو گذشتہ صدی میں دنیا کو ایک عالمگیر جنگ میں جھونکنے کا مجرم بھی بنا جنگ کو انسانی شرف کی علامت سمجھتا تھا وہ کہتا تھا۔ ''جسے زندہ رہنا ہے اسے لڑنا چاہیے جو لڑنا نہیں چاہتا اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ ''لیکن دوسری جنگ عظیم کے بعد وہ بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ :

''موجودہ دور کی جنگ میں فاتح کوئی نہیں ہوتا، کچھ لوگ فنا ہو جاتے ہیں اور کچھ باقی بچ جاتے ہیں۔''

جو قومیں اچھی حکمرانی کا خواب دیکھتی ہوں ان کی پہلی ترجیح یہ ہونی چاہیے کہ وہ جنگ کو خیر باد کہہ دیں۔ چاہے ایسا کرنے کے لیے انہیں اپنے بعض جائز حقوق سے دستبردار ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ میں یہی کیا تھا۔ چین اور جاپان نے اسی اصول کو اپنا کر دور جدید میں اچھی حکمرانی قائم کی ہے اور اقتصادی ترقی کے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔

مشق

1۔ خالی جگہ ایسے الفاظ سے پُر کیجیے کہ بیان بامعنی ہو جائے۔

1۔ پاکستان میں کل ______________ حکومتیں کام کرتی ہیں۔

2۔ ______________ نے کہا کہ رام راجیہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت جیسی ہو گی۔

3۔ فرانسیسی فلسفی ________ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے خلفاء کے نظام حکومت سے بہت متاثر تھا۔

4۔ ضلعی حکومت کا نیا نظام ________ درجات پر مشتمل ہے۔

5۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ 634ء سے ________ تک برسر اقتدار رہے۔

2۔ ہر سوال کے آگے قوسین میں دیئے گئے تین جوابات میں سے مناسب ترین جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کیجیے۔

1۔ قومی اسمبلی کا انتخاب ________ سال کے لیے عمل میں آتا ہے۔ (4،5،6)

2۔ سینیٹ کے امیدوار کے لیے عمر کی کم از کم حد ________ سال ہے۔ (25،30،35)

3۔ سینیٹ اور قومی اسمبلی کو مجموعی طور پر ________ کہا جاتا ہے۔ (پارلیمنٹ، سپریم کورٹ، انتظامیہ)

4۔ وزیراعظم اپنی کابینہ کے کم از کم ________ وزیر سینیٹ سے لینے کا پابند ہے۔ (ایک تہائی۔ایک چوتھائی، نصف)

5۔ یونین کونسل کے ارکان کی کل تعداد ________ مقرر کی گئی ہے۔ (21،15،25)

3۔ ص (صحیح) یا غ (غلط) کے اوپر دائرہ لگا کر درست جواب کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ پاکستان کی موجودہ انتظامی ڈھانچے کی بنیاد 1973ء کے آئین پر رکھی گئی ہے۔ ص غ

2۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس سال حکومت کی۔ ص غ

3۔ حضرت عمرؓ نے غیر مسلموں کو اپنی مملکت سے باہر نکال دیا۔ ص غ

4۔ قانون کے ڈرافٹ کو مسودہ قانون یا بل کہا جاتا ہے۔ ص غ

5۔ سینیٹ کے اجلاس کی صدارت کرنے والے عہدے دار کو سپیکر کہا جاتا ہے۔ ص غ

4۔ کالم الف کے اندراجات کو کالم ب سے لائن کے ذریعے اس طرح ملایئے کہ دونوں کا تعلق واضح ہو جائے۔

کالم الف	کالم ب
پارلیمنٹ	12 اکتوبر 2001ء
تحصیل انتظامیہ	45 سال
صدر	دو ایوان
ڈیوولیشن پلان	5 فیصد اقلیتی ارکان
ضلع کونسل	TMO

5۔ ہر سوال کا جواب دو سے پانچ سطور میں لکھیے۔

1۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کن علاقوں پر مشتمل ہے؟

2۔ وفاقی قانون سازی کی فہرست میں کونسے معاملات شامل ہیں؟

3۔ امور متصلہ کی فہرست میں کونسے اہم معاملات شامل ہیں؟

4۔ وفاقی عدلیہ (سپریم کورٹ) پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔ ڈیوولیوشن پروگرام کب اور کیوں متعارف کرایا گیا۔

6۔ اچھی حکمرانی کی راہ میں حائل پانچ اہم رکاوٹوں کی فہرست بنائیے۔

7۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت میں احتساب کی کیا کیفیت تھی؟

8۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت میں کفالت کا کیا معیار تھا؟

9۔ ضلعی حکومت کے نظام کے چار درجات بیان کیجیے۔

10۔ سٹیزن کمیونٹی بورڈ سے کیا مراد ہے؟

6۔ مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیے۔

1۔ پاکستان کی وفاقی مقننہ کی ساخت اور اس کے وظائف بیان کیجیے۔ (قومی اسمبلی اور سینیٹ کے ساخت الگ بیان کرنے کی ضرورت نہیں)

2۔ پاکستان کی قومی اسمبلی اور سینٹ پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

3۔ 1973ء کے آئین کے تحت پاکستان کی وفاقی انتظامیہ کی ساخت اور ظائف بیان کیجیے۔

4۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام حکومت پر تفصیلی نوٹ تحریر کریں۔

5۔ اچھی حکمرانی کے راستے میں کون سی رکاوٹیں حائل ہیں اور انھیں کیسے دُور کیا جا سکتا ہے۔

6۔ نئے ضلعی نظام کے تحت یونین کونسل کی ساخت اور اختیارات وظائف پر روشنی ڈالیے۔

7۔ سٹی ڈسٹرکٹ، ضلعی پولیس اور ضلعی عدالتی نظام کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

8۔ اچھی حکمرانی کے اسلامی تصور پر مضمون لکھیے۔